جلد 4 شمارہ 4 جون 2002ء ربیع الاول 1423ھ

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ

اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں
ان سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں جبکہ اہل ایمان
شدید محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں
(البقرۃ۔165)



عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاح آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ
گوجرانوالہ
آدمیت سے فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 4 شمارہ 4 جون 2002ء ربیع الاول 1423ھ

قیمت ———— 15/- روپے
سالانہ فنڈ ———— 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

عالم اسلام آج کل جس نازک صورت حال سے گذر رہا ہے اس کا ذمہ دار کوئی غیر نہیں ہم خود ہیں کیونکہ امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری ڈالی تھی اس نے اس کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے والی قوم خود گمراہی میں بھٹکی ہوئی قوموں سے بھی آگے نکل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم امہ کو قیامت تک رہنمائی کے لئے ایک ضابطہ حیات یعنی قرآن مجید عطا فرمایا اور اس کی تعلیم کے لئے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ امت جس کے پاس دنیا کی جہانبانی کا نسخہ ہے۔ اس کی اکثریت ذہنی اور فکری غلامی کا شکار ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل ہمارے پاس قرآن کریم اور اسوہ رسول ﷺ کی صورت میں موجود ہے لیکن ہم اس درد کی دوا ان لوگوں سے مانگ رہے ہیں جو خود بیمار ہیں۔ ہم عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہمارے تمام مسائل کا حل ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم اس نسخہ کیمیا کو نہیں آزماتے۔ ہم اپنی نفسانی خواہشات اور ناجائز ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے ہر قسم کی زلت اور رسوائی کو برداشت کر رہے ہیں۔ ہم اللہ کے احکامات پر عمل بھی نہیں کرتے اور شکوہ شکایت کا موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دین میں پورے کے پوری داخل ہو جاؤ۔ لیکن جن اعمال کو ہمارا نفس گراں نہیں سمجھتا ان کو بھی ظاہری طور پر ادا کرتے ہیں ان اعمال کی حقیقت سے ہم دور ہیں۔ ہم نے دین کو اپنی سہولت کے مطابق اپنا رکھا ہے۔ جہاں دین کے لئے قربانی دینے اور نفسانی خواہشات کو دبانے کا معاملہ آتا ہے ہم خود کو بے بس اور مجبور پاتے ہیں۔ تو پھر ہم انعامات خداوندی کے کس منہ سے طلبگار ہیں۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز تو دین پر عمل کرنے میں چھپا ہوا ہے۔ اللہ پاک تو فرماتے ہیں تم میرے راستہ میں تکلیفیں اٹھاؤ گے تو اس دنیا کی حکومت تمہارے قدموں میں گرے گی۔

حضور ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کی تکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ کو ذہنی اور جسمانی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ آپ ﷺ کو تمام انبیاء کے مقابلے میں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ کو کفار نے ہر قسم کا لالچ دیا مال و دولت کا سارے عرب کی حکومت کا اور عرب کی سب سے خوبصورت عورت سے شادی کا لیکن آپ ﷺ نے دعوت دین کے مقابلہ میں ہر لالچ کو ٹھکرا دیا۔ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کیونکہ آپ ﷺ کو اپنے رب کے وعدہ پر مکمل یقین تھا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ ﷺ کو سارے عرب کی حکمرانی ملی اور سارے عرب کا مال و دولت بھی مدینہ میں آیا۔

جن مشکلات کا مسلم امہ آج کل شکار ہے۔ ان کا علاج تو بہت واضح اور صاف ستھرا ہے۔ بات صرف اس یقین کی ہے کہ ہم خدا کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا مان لیں۔ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

والسلام

(وحید احمد)

درس قرآن

لئن شکرتم لا زیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (ابراہیم)

"اگر تم نے شکر کیا تو ہمیں تمہیں بڑھائینگے اور اگر ناشکری (کفر) کی تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے"۔

گویا کفر اسلام کے نزدیک بد ترین خصلت ہے جس میں ناقدری کی ہر نوع شامل ہے۔ اس کے برعکس شکر اعلیٰ ترین خصلت ہے جو قدر شناسی کی مظہر ہے۔ عبودیت اور شکر گزاری دونوں لازم و ملزوم ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کا صحیح معنوں میں بندہ ہو وہ کبھی ناشکر گزار نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر مرحلے میں اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرے گا۔ ہر مشکل میں اسی سے مدد کا خواہاں ہو گا اور خدا تعالیٰ جب اسے اپنی نعمت سے نوازے گا تو پھر وہ اس سے غفلت برتنے کی بجائے دل کی گہرائیوں سے اس کا سپاس گزار ہو گا۔ مالک الملک کی احسان فراموشی کا تو کوئی مومن تصور بھی نہیں کر سکتا یہ کافروں اور خدا کے باغیوں کا وطیرہ ہے۔

"اللہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا اور وہ تمہاری شکر گزاری کی روش کو پسند کرتا ہے" امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں لکھا ہے کہ

"شکر کے لئے چار باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک علم' دوسرے حال' تیسرے عمل اور چوتھے مقصد۔ علم سے مراد یہ ہے کہ نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھے اور اسے اپنی جدوجہد اور قابلیت قرار نہ دے۔ حال سے مراد یہ ہے کہ حصول نعمت پر مسرت کا اظہار کرے۔ عمل سے مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں پر عمل پیرا ہو جو منعم کو پسند ہوں اور مقصد سے غرض خدا کا قرب اور اس کی رحمتوں کا حصول ہے"

ہر ایک کا شکر۔ اسلام میں ہر ایک کا شکر مطلوب ہے۔

1۔ محسن حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا کیونکہ ہر ایک نعمت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور اس شکر پر اللہ تعالیٰ نے مزید عطا کا وعدہ کیا ہے۔

2۔ انسانوں کا شکر۔ انسان اپنی بہت سے ضروریات میں دوسرے انسانوں کا محتاج ہے۔

مشکل اور مصیبت میں امداد کرنیوالا انسان مجازی محسن ہوتا ہے اس کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

من لا یشکر الناس لا یشکر الله

یعنی جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، اللہ کا شکر نہیں کرتا۔

شکر اور جملہ انبیاء کا اسوہ

انبیاء کرام کی زندگیاں شکر خداوندی کا نمونہ تھیں۔ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ ممنون احسان رہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے چند کا ذکر کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

انه كان عبدا شكورا "بیشک وہ شکر گزار بندے تھے"۔ (بنی اسرائیل۔3)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا "ابراہیم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا"۔ (نحل۔121)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو تاکید فرمائی "اے آل داؤد شکر گزاری کا ہر عمل کرو"۔ (سباء۔13)

اسوہ رسول ﷺ

آنحضور نبی اکرم ﷺ اگر دین اور اخلاق حسنہ کے لحاظ سے سید المرسلین ہیں تو شکر کے لحاظ سے بھی تمام انبیاء میں اعلیٰ اور فائق ہیں۔ آپ کی پوری زندگی شکر خداوندی کا زندہ نمونہ تھی۔ آپ ہمہ وقت ذکر و شکر میں مشغول رہتے اور اس مقصد کے لئے راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبادت کرتے حتیٰ کہ صحابہ کرام کو حیرت ہوتی تھے۔ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ رات کو کثرت قیام سے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے تو خداوند تعالیٰ نے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا افلا اكون عبدا شكورا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر جس قدر بھی ادا کیا جائے کم

ہے۔ لیکن بندہ ضعیف پھر بھی اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

ارشادات نبوی ﷺ

آنحضور ﷺ نہ صرف خود پیکر شکر تھے بلکہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو بھی جذبہ شکر کی بکثرت تلقین کرتے رہتے تھے۔

1۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ "کھانا کھا کر شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے"

2۔ اس طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی دن بلند آواز سے پکارا جائے گا حمادون اٹھ کھڑے ہوں" ایک جماعت اٹھ کھڑی ہو گی۔ ان کے لئے ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا پس وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ حمادون کون ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو ہر حالت میں خدا کا شکر کرتے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ صحابہ کرم کو حکم دیتے تھے کہ "مال و دولت کی بجائے شکر گزار دل کو غنیمت سمجھو"۔ (رواہ مسلم)

3۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ ہم کونسا مال جمع کریں؟ آپ نے فرمایا ذکر کرنیوالی زبان اور شکر کرنیوالا دل"۔

آنحضور ﷺ شکر خداوندی بجا لانے کے لئے بکثرت دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً" کھانا کھانے، نئے کپڑے پہننے، سونے، سو کر اٹھنے، مسجد میں داخل ہونے اور بیت الخلاء سے نکلنے کی وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام دعاؤں کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کیا جائے۔ زبان کا یہ شکر ان کی قلبی کیفیت اور دلی محبت کا آئینہ دار ہوتا تھا۔

شکر کی اقسام

اظہار شکر کے تین طریقے ہیں

۱۔ قولی ۲۔ قلبی شکر ۳۔ عملی شکر

1۔ قولی شکر۔ اس سے مراد ہے کہ زبان سے اللہ تعالی کی نعمتوں کا اعترف کیا جائے قرآن پاک میں ہے

واما بنعمته ربک منحدث (یعنی اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتا رہ)

2۔ قلبی شکر۔ اس سے مراد ہے کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کی قدر شناسی کا داعیہ دل میں ہو کیونکہ قدر شناسی بال آخر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف کر دے گی۔ دل انسانی خواہشات کا مسکن ہے اور تمام برے بھلے خیالات اسی منبع سے پھوٹتے ہیں۔ لہٰذا انسان کے قول و فعل میں اصلاح کے لئے دل میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اعتراف اور احسان مندی کا جذبہ لازمی ہے۔ دل میں شکر گزاری کے احساس کی پرورش کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی ذات اور کائنات پر تدبر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کامل طور پر سمجھ سکے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ہم نے لقمان علیہ السلام کو حکمت دی تاکہ وہ شکر گزار بندہ بن جائے"۔ نیز فرمایا کہ:

"ہم نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا۔ تم نافہم تھے تمہیں کان آنکھیں اور دل عطا کئے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو"

آنحضور ﷺ نے فرمایا "جس نے خدا کی حمد و ثنا بیان کی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے اس کی نعمتوں کو چھپایا اسی نے کفر کی راہ اختیار کی"۔

چنانچہ قولی شکر کا ایک طریق حمد باری تعالیٰ کا زبان سے بیان کرنا ہے حمد کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کا آغاز سورہ فاتحہ یعنی اپنی حمد سے کیا جو پورے قرآن پاک کا خلاصہ ہے۔ پھر اسی کلام پاک میں کئی مقامات پر مطالبہ کیا گیا کہ انسان ہر لمحے اور ہر ساعت خدا کی حمد و ثنا میں مشغول رہے جیسا کہ آیت ہے سبح بحمد ربک (اپنے پروردگا کی حمد کی تسبیح کر) اس کی تاکید آنحضور ﷺ نے اس طرح فرمائی الحمد راس الشکر حمد شکر کا سرچشمہ ہے۔ نیز کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے عمل کا ترازو بھر جاتا ہے اور الحمد للہ و سبحان اللہ زمین کے خلاء کو بھر دیتے ہیں۔

3۔ عملی شکر۔ قلبی اور قولی شکر کا مقصد عملی شکر ہے عملی شکر گزاری کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور قوتوں کو صحیح طور پر اس کی منشا کے مطابق خرچ کرے انہیں ضائع نہ کرے اور نہ ہی غلط مصرف میں لائے۔ عملی شکر کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ یہ پوری انسانی زندگی

پر محیط ہے لیکن بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں۔

(1) جسمانی شکر اور (2) مالی شکر

1۔ جسمانی شکر۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں متناسب اور خوبصورت جسم عطا کیا ہے لہٰذا اس کی صحت کا خیال رکھنا اسے ہر طرح کی بیماریوں سے بچانا جسمانی شکر ہے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جو بہت کمزور ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم توانا اور تندرست تھے اب یہ کمزوری کیسے ہوئی؟ جواب دیا روزوں نے یہ حال کر دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم پر اپنی جان کا بھی حق ہے۔ اسے صحیح طور پر ادا کرو۔ اسی طرح ایک مالدار شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا "اپنے مال کا اظہار کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے"۔

اسی طرح جسمانی قوتوں کو خدمت خلق اور عبادات میں خرچ کرنا۔ نیز دماغی صلاحیتوں کو بندگان خدا کو راہ مستقیم کی دعوت میں صرف کرنا بھی شکر میں شامل ہے۔ گویا تمام جسمانی اعضاء کو خدا کے بتائے ہوئے طریق پر کام میں لانا ان کا شکر ہے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ادراک حاصل کرے' زبان کا شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں کا اظہار زبان سے کرے نیز زبان سے کوئی غیر شرعی بات نہ نکالے۔ بلکہ اس کی حمد و ثنا کرے۔ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ مطالعہ کائنات کرے۔ امور فطرت پر تدبر کرے اور مخلوق خدا سے عبرت حاصل کرے۔ ہاتھ پاؤں کا شکر یہ ہے کہ ان سے بندگان خدا کو فائدہ ہی پہنچے نہ کہ نقصان۔ الغرض تمام بدنی قوتوں' ذہنی صلاحیتوں اور قلب و نظر کی توانائیوں کو خدا کی راہ میں صرف کرنا جس سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو شکر کے مفہوم میں شامل ہے۔

(ب) مالی شکر

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو مال و دولت عطا کیا ہے اسے خدا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے نفس پر اہل و عیال' اعزاء اقرباء یتیموں اور مسکینوں اور دیگر قومی امور پر خرچ کیا جائے۔ اسلام کی نگاہ میں خدا کی راہ میں خرچ کرنا نہ صرف شکر باری تعالیٰ ہے بلکہ قرآن کی اصطلاح میں قرض حسنہ ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کئی گنا دیتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی

ایک طویل حدیث میں ہے۔
آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے۔ میں بیمار پڑا تو تونے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ کہے گا اے میرے پروردگار تو سارے جہاں کا رب ہے۔ میں تیری بیمار پرسی کیسے کرتا اللہ فرمائے گا کیا تجھے خبر نہ تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تونے اس کی پرسش نہ کی۔ اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر خدا کہے گا اے بنی آدم۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تونے مجھے نہیں کھلایا بندہ عرض کرے گا اے میرے رب۔ تو تو سارے جہاں کا پالنے والا ہے تجھے میں کیسے کھلاتا۔ فرمائے گا تجھے معلوم نہ ہوا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو تونے اسے نہیں کھلایا۔ اگر تو اسے کھلاتا تو اس کا بدلہ آج میرے پاس پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بنی آدم۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا تونے مجھے پانی نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا اے مولا کریم میں تجھے کیسے پانی پلاتا۔ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تونے اس کو نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پلاتا تو آج وہ پانی میرے پاس پاتا" گویا مال و دولت مفاد عامہ اور خدمت خلق میں خرچ کرنا مالی شکر ہے۔

شکر پوری زندگی پر محیط ہے

شکر کی ان اقسام سے ثابت ہوا کہ شکر کا مفہوم بہت وسیع ہے اور انسانوں کے تمام اعمال پر حاوی ہے۔ زندگی کا کوئی عمل اور گوشہ اس سے خارج نہیں ہے۔ حق پرستی شکر ہے اور باطل پرستی کفران نعمت۔ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف شکر ہے۔ اللہ کی عطا کردہ چیزوں کا صحیح اور اسلامی مصرف شکر ہے جب کہ غلط مصرف کفر ہے۔ جسمانی طور پر خدمت خلق اور نیک کاموں میں مصروف ہونا شکر ہے جب کہ ظلم و تعدی پر عمل پیرا ہونا کفر ہے۔ سخاوت' انفاق فی سبیل اللہ شکر ہے اور بخل و اسراف کفر ہے۔ الغرض شکر بہت بڑی نعمت ہے جس شخص نے شکر کی حقیقت اور راز کو پالیا اس کے لئے زندگی کی راہیں آسان اور کشادہ ہو گئیں اور اس نے مقصد حیات پالیا اور خدا کے فرمان کے مطابق نہ اس پر کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی حزن و ملال۔

ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

درسِ حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان منا فقا خالصا ومن کانت فیہ خصلہ منھن کانت فیہ خصلہ من النفاق حتی یدعھا اذا ائتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدرو اذا خاصم فجر (بخاری و مسلم)

ترجمہ! حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار عادات ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا۔ جب تک کہ اس عادت کو چھوڑ نہ دے اور وہ چار عادات یہ ہیں کہ جب اس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب باتے کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بد زبانی کرے۔

حقیقی اور اصلی نفاق انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے اسلام قبول ہی نہ کیا ہو بلکہ دل سے اس کا منکر اور مخالف ہو۔ لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مومن اور مسلم ظاہر کرتا ہو جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں عبداللہ ابن ابی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے اور ان ہی منافقین کے بارے قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔

"ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے"

لیکن بعض بری عادات اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل ان ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں اور کسی صاحب ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔

اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں یہ منافقانہ عادت ہے۔ اور اگر کسی میں بدبختی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں تو سمجھا

جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدے کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے اور ایک مسلمان کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں رسول کریم ﷺ نے خصائل نفاق میں چار کا ذکر فرمایا ہے۔ خیانت' جھوٹ' عہد شکنی اور بد زبانی اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔ اس لئے ہمیں ان چاروں خصلتوں سے بچنا چاہئے اور خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہئے تاکہ خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو سکیں۔

نور بابا کے سوالوں کا جواب

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ 1947ء میں دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے تو آپ نے کچھ عرصہ کے لئے پاکستان ائر فورس بیس ڈرگ روڈ (موجودہ نام شارع فیصل) میں بطور ایئر لائبریرین ملازمت کی۔ اس لئے سب سے پہلے جن لوگوں کو آپ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کی اکثریت کا تعلق پی اے ایف سے تھا۔ سب سے پہلے مرید ہونے والے کا نام قاضی غیور احمد انصاری تھا۔ جو کہ ملٹری اکاؤنٹس میں ملازم تھے۔ باقی لوگ ایئر فورس کے ملازم اور گراؤنڈ سگنلر ٹریڈ کے تھے۔ یہ لوگ تھوڑا عرصہ بعد کراچی سے کوئٹہ چلے گئے۔ وہاں ان کے ایک ساتھی تھے جن کا نام نور احمد میر عرف نور بابا تھا۔ وہ بنیادی طور پر اہلحدیث مسلک کے تھے اس لئے پیری فقیری کو ایک ڈھونگ گردانتے اور ہمارے سلسلے کے بھائیوں اور ذکر وغیرہ کا مذاق اڑاتے۔ لیکن جب قبلہ حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو پہلی مجلس ہی میں ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ روحانیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہروقت سوز و مستی میں جھومتے اور مرشد کے گیت گاتے رہتے۔ ان کے توسط سے کئی لوگوں کی اصلاح ہوئی اور وہ سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوئے۔ آپ نوشہرہ ورکاں کے رہنے والے تھے اور آپ کی کوشش ہی سے وہاں حلقہ توحیدیہ قائم ہوا اور وہاں کے رہنے والے ہمارے بہت ہی پیارے اور سراپا ایثار بھائی چوہدری جلال الدین مرحوم و مغفور کے اخلاص اور مہمان نوازی کے جذبہ کی وجہ سے سلسلہ توحیہ کے سالانہ اجتماعات کی ابتدا نوشہرہ ورکاں ہی سے ہوئی۔ نور بابا صاحب کے سلسلہ توحیدیہ میں شمولیت کا قصہ بیان کرتے ہوئے قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں فرمایا۔

"شروع شروع میں بیعت ہونے والے بھائی جب کوئٹہ چلے گئے تو میرا جی چاہا کہ اپنے بیٹوں سے مل آؤں۔ میں نے چند روز کی چھٹی لی اور بھائیوں کو اطلاع کر دی کہ میں فلاح تاریخ کو کوئٹہ

پہنچ رہا ہوں اور وہاں شہر میں بینک کے ایک ملازم چوہدری نیاز احمد کے ہاں قیام کرونگا۔ ہمارے پیر بھائیوں نے نور بابا صاحب کو بھی دعوت دی کہ ہمارے مرشد یہاں آ رہے ہیں اور آپ بھی ان سے ملاقات کرلیں۔ چنانچہ نور بابا تیار ہو گئے اور تصوف پر اعتراضات کرنے کے لئے کچھ سوالات بھی لکھ کر جیب میں رکھ لئے۔ ائر فورس بیس ممنگی سے نور بابا سمیت سب بھائی سائیکلوں پر میری قیام گاہ پر پہنچ گئے تو اللہ اللہ اور تصوف کے بارے میں میں نے بات چیت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یوں ہوا کہ اپنی گفتگو کے دوران نور بابا کے تمام اعتراضات کے جواب میں نے بیان کر دیئے اور انہیں اپنا کاغذ پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ ہم سب لوگ صوفوں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نور بابا جو اندر سے بالکل موم ہو چکے تھے اپنے صوفہ سے اٹھ کر میرے قدموں میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے انہیں ڈانٹا اور واپس صوفہ پر بیٹھنے کو کہا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو نور بابا کے من کی دنیا بدل چکی تھی۔ اپنے کیمپ واپس جانے کے لئے جب سب بھائی سائیکلوں پر روانہ ہوئے تو نور بابا نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تو جدھر دیکھتا ہوں ہر طرف انصاری صاحب ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ میری سائیکل کسی پتھر وغیرہ سے ٹکرا ہی نہیں سکتی کیونکہ میری رہنمائی کے لئے وہ ہاتھ میں لالٹین پکڑے میرے آگے آگے جا رہے ہیں۔ اب حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ نور بابا اپنے ساتھ کچھ سوالات لکھ کر لایا ہے۔ میں خواہ مخواہ اپنی بزرگی کا رعب جمانا نہیں چاہتا۔ بس اللہ تعالیٰ کو اس کی اصلاح منظور تھی اور اس نے نور بابا کے سوالات کے جوابات بالترتیب میری زبان پر جاری فرما دیئے۔ اس نے تو مجھے بعد میں بتایا تھا کہ اعتراضات کرنے کے لئے میں آٹھ دس سوال لکھ کر اپنے ساتھ لایا تھا۔ نور بابا نے خوب روحانی ترقی کی اور اس کے توسط سے کتنے ہی بھائی سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوئے۔ لیکن خلیفہ بننے کی آرزو نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ میں نے اس کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے اسے دوبارہ حلقہ میں شامل کیا لیکن وہ اس چکر سے نکل نہ سکا۔

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

1۔ خادم حلقہ اور روحانیت

(بنام عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ صاحب 1966-6-6ء)

"مجھے کسی نے لکھا تھا کہ عابد صاحب کے خلاف کچھ لوگ اس وقت سے ہو گئے جب سے میں نے 1964ء میں پشاور میں منظور صاحب سے عابد صاحب کی روحانی بزرگی کا ذکر کیا۔ جس نے بھی یہ بات کہی ہے بالکل جھوٹا ہے۔ میں نے کبھی منظور سے یا کسی اور سے عابد صاحب کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ خدا کی قسم میں تو عابد صاحب کو اچھی طرح جانتا بھی نہیں تھا۔ کراچی میں وہ آتے ہونگے میں نے کبھی ان کا نام بھی نہیں پوچھا نہ مجھے یاد تھا۔ میں نے تو ان کو صرف یہاں گلبرگ میں پہلی مرتبہ اچھی طرح دیکھا اور ایک مرتبہ نوشہرہ ورکاں میں دیکھا پھر رخصت ہوتے وقت یہاں گلبرگ میں دیکھا۔ بس یہ تین مرتبہ کی معمولی ملاقات تھی۔ نہ میں نے اپنی مرضی سے ان کو خادم حلقہ بنایا۔ میں نے تو اللہ سے پوچھا تھا کہ کس کو بنانا چاہئے تو مجھے القاء ہوا کہ عابد کو بنادو چنانچہ میں نے بنا دیا۔ خادم حلقہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ روحانیت میں اپنے پیر بھائیوں سے زیادہ ہو۔ مطلق نہیں۔ چنانچہ میں نے ان کو صاف صاف لکھ بھی دیا تھا کہ آپ کو جو خادم حلقہ بنایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ روحانیت میں اپنے پیر بھائیوں سے بڑے ہیں۔ آپ سے کہیں بڑے بڑے روحانی طاقت والے کراچی کے حلقہ میں بہت ہیں۔ اس سے پہلے مومن صاحب خادم حلقہ تھے۔ ان میں ہی کونسی روحانیت تھی۔ مومن صاحب تو بیچارے رہے ایک طرف خود ملک بخشیش الٰہی میں بھی کوئی روحانیت خاص نہ تھی۔ البتہ انکا اخلاق بہت اچھا تھا اور ان کی توجہ خوب تھی۔ شاید وہ لوگ توجہ ہی کو روحانیت سمجھتے ہیں۔ جو ایسا خیال کرتا ہے وہ فقیری اور روحانیت کی الف بے تے بھی نہیں جانتا۔ بھلا روحانی طاقت والوں کو میں خادم حلقہ جیسی گھٹیا اور تھرڈ کلاس خدمت کے لئے کیسے مقرر کر سکتا ہوں۔ ان کے لئے تو بہت اونچے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں اور کوئی ان کو جانتا بھی نہیں۔ نہ کوئی روحانی بزرگ یہ خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اس کو جانیں اور اس کی عزت کریں۔ وہ تو صرف

خدا کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ دنیا کچھ ہی کہے کچھ ہی کرے بہر حال یہ میں ایسے ہی جوش میں لکھ گیا۔ مطلب یہی تھا کہ بعض لوگ جو خادم حلقہ بننا چاہتے ہیں وہ اول درجے کے دنیا دار ہیں۔ روحانیت سے انکو کیا سروکار۔ اللہ ان سب کو ہدایت دے۔ خادم حلقہ تو ایک ملازم کی طرح ہے جو حلقہ کرا دیتا۔ اور اگر ہو سکے تو آنے والوں کی چائے پانی سے کچھ خدمت کر دیتا ہے۔ اللہ ان سب کو ہدایت دے اور بے لوث ہو کر خلوص سے سلوک پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

2۔ امام حلقہ

(بنام محمد یعقوب صاحب 1966-1-17)

"حافظ صاحب، امام حلقہ" کون صاحب ہیں میں تو نہیں سمجھ سکا۔ امام حلقہ کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ شیخ حلقہ یعنی مجھ عاجز اور ناچیز سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر کوئی بزرگ ہیں۔ یہ کون صاحب ہیں جنھوں نے بغیر اطلاع اپنے آپ کو حلقہ کا امام بنا لیا ہے۔ حلقہ والوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ آپ لوگ بھی خوب ہیں کہ جس کا جو دل چاہے بن جاتا ہے اور آپ اس کو مان لیتے ہیں اس طرح تو حلقہ چل چکا۔ مفصل لکھئے"

3۔ میں نے پہچان لیا ہے

(بنام محمد یعقوب صاحب 1966-1-29)

"حافظ صاحب کو میں نے پہچان لیا ہے ان کا نام احمد مجتبیٰ ہے۔ میں نے ایک مرتبہ انکو واقعی امام حلقہ کہا تھا کیونکہ وہ نماز پڑھانے کھڑے ہو رہے تھے۔ مگر میری مراد پیش امام حلقہ تھی نہ کہ امام حلقہ۔ امام حلقہ تو یا شیخ حلقہ ہو سکتا ہے یا اس سے بھی کوئی بڑا بزرگ۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ خود اپنے منہ سے لوگوں کے سامنے یہ کہتے ہوئے اچھے نہیں لگتے کہ میں امام حلقہ ہوں۔ اس سے تو خود پرستی اور نمود و نمائش کی بدبو آتی ہے اور یہ چیز خدا پرست کبھی نہیں بننے دیتی۔ للہذا آئندہ اس سے باز رہیں اور ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ میں اپنا دیا ہوا خطاب امام حلقہ واپس لیتا ہوں۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ ان کو روزگار مل گیا ہے اللہ ان کو توفیق دے کہ وہ یہاں نباہ کر سکیں"۔

تفکر

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اتنا بیان کر دینے کے بعد اب بتایا جاتا ہے کہ "حکمت" میں "تفکر" صرف یہ نہیں ہے کہ چادر سے منہ ڈھانپ کر کشف القبور یا مکاشفہ لطائف غیبی کا مراقبہ کر لیا اور بس' بلکہ تفکر کی دو قسمیں ہیں :ایک تفکر بالمشاہدہ' دوسری تفکر بالمراقبہ' ان کا حال آگے بیان کیا جاتا ہے:۔

تفکر بالمشاہدہ

اس کے کئی طریقے ہیں

پہلا طریقہ :۔ کائنات میں جتنی خوبصورت اور حسین چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں مثلاً" آسمان میں سورج' چاند' ستارے' شفق' بادل' بارش' قوس قزح اور زمین پر سمندر' دریا' چشمے آبشار' سبزہ' پھول' میوے' رنگ برنگے جانور' چرند پرند طرح طرح کے خوبصورت پتھر' جواہرات اور دھاتیں وغیرہ۔ ان سب کو غور اور دلچسپی سے دیکھنے کی عادت ڈالو اور یہاں تک دیکھو کہ ان میں جو حسن' نزاکت اور دلکشی ہے اس کا احساس پیدا ہو جائے۔ جب یہ بات حاصل ہو جائے تو ان کے بنانے والے کا خیال کرو اور سوچو کہ وہ خود کتنا حسین اور صناع ہو گا۔ اس مشق کا حاصل یہ ہونا چاہئے کہ تمہیں قدرت کی ہر مخلوق میں حسن مطلق کی جھلک نظر آنے لگے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ذہن نشین ہوتا چلا جائے' یہ انہماک رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ جائے گا اور ایک ایسی ہستی کی موجودگی کا احساس پیدا ہو گا جو موجود تو ہے مگر دکھائی نہیں دیتی یہی حضوری کی ابتدا ہے۔

اس مشق کو (پچھلے اعمال کے ساتھ ساتھ) اگر جاری رکھا جائے تو جس ہستی کا احساس پیدا ہوا تھا وہ نظر آنے لگے گی' یہ حضوری کا دوسرا درجہ ہے۔ کیا نظر آئے گا' اس کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو کہ یہ مشاہدہ ظاہری آنکھوں سے نہیں ہو گا' ایک ایسی حس کے ذریعے ہو گا جس کو بصارت کی روح کہنا چاہئے اور جو آنکھ سے کہیں زیادہ دیکھتی ہے۔ آنکھ تو چیزوں کی صرف ظاہری سطح کو دیکھتی ہے نہ ان کے اندر دیکھ سکتی ہے نہ ان کے پیچھے کی طرف' مگر یہ حس جب بیدار ہو

جاتی ہے تو چیزوں کے اندر باہر، اوپر نیچے، آگے پیچھے ہر طرف دیکھتی ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ

ان اللہ علی کل شئی محیط۔

یا

ھوالاول والاخروالظاھروالباطن

تو اس طریقہ تفکر سے ان آیات کا معنوی مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن یہ مشاہدہ بھی ہر طالب کو اسکی اپنی روحانی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ عین ذات کو تو جس طرح ہمارے سرکار دو عالم رسول ﷺ نے مشاہدہ فرمایا ہے، نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ آئندہ دیکھ سکے گا۔ اس جگہ یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیت

ھوالاول والاخروالظاھروالباطن

کی تشریح میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے تو اکثر لوگوں کو جو صرف پڑھتے اور سنتے ہیں عملی طور پر کچھ نہیں کرتے دو وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس طرح حلول کا مسئلہ ٹھیک ہوا، دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ گندی چیزوں میں بھی ہے تو وہ ناپاک کیوں نہیں ہو جاتا۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے اردگرد جو فضا اور خلا ہے اور جس میں بظاہر کچھ بھی نظر نہیں آتا اس میں ان گنت چیزیں موجود ہیں۔ اول تو ہوا ہے جس کو تم جانتے ہو لیکن اور بھی بہت سی چیزیں ہیں مثلاً" پانی کی نمی یا بھاپ، کئی قسم کی گیسیں، برق، ریڈیائی لہریں، ایتھر اور کئی قسم کی شعائیں۔ ان چیزوں کا پتہ تو سائنس نے لگا لیا ہے لیکن اور بھی بے شمار چیزیں ہیں جن کا پتہ ابھی سائنس نہیں لگا سکی مگر اہل حال اور بصیرت باطنی رکھنے والے جانتے ہیں مثلاً" نفس، عقل، روح، نفس وغیرہ اور جنت و دوزخ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جنت زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے" (سورہ آل عمران آیت 132)

اسی طرح اللہ ہے کہ ہر جگہ موجود ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ سب چیزیں جو اس فضا اور خلا میں موجود ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا کام کرتی ہے اور کوئی چیز کسی دوسری چیز سے نہ متاثر ہوتی ہے نہ اس کے کام میں رکاوٹ ڈالتی ہے، حتیٰ کہ ریڈیو کی لہریں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے

ا ، لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں اور کوئی مادی شے بھی ان کے لئے
..دوث کا سبب نہیں ہو سکتی' جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خود خالق کا تو ذکر ہی کیا۔ وہ بذاتہ سب
پ..وں کا پاک ہے اس پر کوئی شے اثر نہیں کر سکتی' ہر شے میں ہوتے ہوئے بھی ہر شے سے الگ ہے
۔یہاں ایک اور مثال پر غور کیجئے:۔

زمین پر گوبر اور گندگی کا ایک ڈھیر پڑا ہے اور آفتاب عالمتاب کی دھوپ اس پر پڑ رہی ہے اور دھوپ کی حرارت گندگی کے اندر کئی گز نیچے تک پہنچ رہی ہے ۔ اب بتائیے کہ یہ دھوپ اور حرارت اس گندگی سے ناپاک ہو جائے گی یا خود اس کو پاک کر دے گی۔

بہر حال اس طریقہ تفکر سے جو مشاہدہ ہوتا ہے اسے سیر ہی سمجھنا چاہئے کیونکہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرا طریقہ:۔ جب پہلے طریقے پر عمل کرنے سے تجلیات وغیرہ کا مشاہدہ ہونے لگے تو اب تم اس تمام یونیورس یعنی کائنات کا تصور دماغ میں قائم کرو۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے فلکیات پر چند ایسی کتابیں پڑھو جو موجودہ تحقیقات کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ اس طرح تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ سورج' چاند' ستارے اور سیارے سب بڑے بڑے کرے ہیں جو اس فضا میں تیر رہے ہیں۔ ان کی تعداد' جسامتیں اور درمیانی فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ انسانی شمار و حساب میں بھی نہیں آسکتے۔ اس طرح جب اس فضا کی وسعت و پہنائی کا کچھ تصور دماغ میں قائم ہو جائے تو رات کو جب ستارے جگمگا رہے ہوں کھلے آسمان کے نیچے لیٹ کر غور کیا کرو کہ تمہاری زمین جو ایک کرہ ہے اس کے چاروں طرف ایسا ہی آسمان جیسا کے اوپر نظر آتا ہے لا انتہا فاصلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ سوچو کہ آخر یہ سلسلہ ستاروں اور سیاروں یعنی آفرینش کا کہاں تک چلا گیا ہے اگر تفکر بالمشاہدہ کے پہلے طریقے سے تمہاری حس فکر یہ تربیت یافتہ ہو چکی ہے تو تم یونیورس کا زیادہ صحیح تصور قائم کر سکو گے اور دیکھو گے کہ پہلے آسمان سے آخری آسمان تک کس طرح آفرینش کا سلسلہ قائم ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا شروع کرو کہ جہاں آفرینش ختم ہوتی ہے اس سے آگے کیا ہے' تمہاری سمجھ میں آئے گا کہ آگے محض خلا ہے۔ اب سوچو کہ یہ خلا کہاں تک چلا گیا ہے اور اس کی انتہا کے بعد کیا ہے۔ یہاں تمہاری عقل عاجز اور تمہارا دماغ بیکار ہو جائے گا اور کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا۔ اس ناقص تصور یا تفہم کو خوب پختہ کر کے یہیں چھوڑ دو۔ اب ایک ایٹم کی جسامت کا تصور دماغ میں بٹھانے کی

کوشش کرو۔ ایٹم اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ ایک سوئی کی نوک پر لاتعداد ایٹم اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایٹم پر دو ایک کتابیں پڑھو' جب یہ تصور قائم ہو جائے تو آگے چلو اور اقلیدس کے نقطے کا تصور کرو جس میں نہ لمبائی ہے نہ چوڑائی نہ گہرائی نہ وہ سمتوں اور امتداد میں مقید ہے نہ اس کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ جب یہ تصور بھی قائم ہو جائے تو آیت

سبحان ربک رب العزت عما یصفون

"تمہارا رب پاک ہے تمام صفتوں سے جو تم اس کی طرف منسوب کرتے ہو"

کے معنی دماغ میں رکھتے ہوئے یہ فکر کرو کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اتنا بڑا ہے کہ تمام یونیورس پر محیط ہے اور اس کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے۔ دوسری طرف اقلیدسی نقطے سے بھی زیادہ چھوٹا ہے۔ جب یہ تصورات پختہ ہو جائیں گے تو سخت مشقت اور مدت دراز کی کوشش کے بعد عجیب عجیب راز تم پر کھلیں گے۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمام یونیورس باوجود اس بے انتہا وسعت و پنہائی کے اس ذات بیچون و چگون میں جو نقطے کے تصور سے محسوس یا مدرک ہوئی ہے' اس طرح سمایا ہوا ہے کہ معدوم محض کی سی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ذات بیک وقت اس یونیورس سے بھی بے اندازہ بڑی اور اقلیدسی نقطہ سے بھی کہیں چھوٹی ہے۔ اس نکتہ پر اس سے زیادہ صاف لکھنے کے لئے ہماری زبان میں الفاظ ہیں نہ قلم میں طاقت نہ رخصت۔

اسی تفکر کا ایک ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ جب تم کائنات کی وسعت و پنہائی کا ایک تصور قائم کر لو تو اس کے مقابلہ میں اپنی زمین کی جسامت پر غور کرو۔ تمہیں دکھائی دے گا کہ یونیورس کے مقابلہ میں تمہاری زمین اتنی بڑی بھی نہیں جتنا اس کرہ زمین کے مقابلہ میں ایک رائی کا دانہ۔ پھر غور کرو کہ اس کرہ ارض کے مقابلہ میں خود تمہارا جسم کتنا بڑا ہے' تم کو دکھائی دے گا کہ تمہاری جسامت اس نسبت سے اتنی بھی تو نہیں جتنی گندے پانی کی ایک بوند میں خوردبین سے نظر آنے والے لاکھوں جراثیم میں سے ایک جرثومہ کی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تمام کائنات ایک کتاب مرقوم ہے اور تم اس میں ایک نہایت باریک موہوم سی تحریر یا نقش۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

پھر لطف یہ ہے کہ جہاں ایک طرف تم اس قدر ضعیف و حقیر ہو وہاں دوسری طرف اس قدر

قوی اور عظیم کہ سمندروں میں طوفان لا سکتے ہو' اٹھتے ہوئے طوفانوں کو روک سکتے ہو' پہاڑوں کو ان کی بنیادوں سے ہلا سکتے ہو اور ہمت و ارادہ کرو تو کیا نہیں کر سکتے۔ جب تم ایسے ہو تو تمہارا خالق کیسا کچھ نہ ہو گا۔

غالب کا مندرجہ بالا شعر لکھتے ہوئے ایک بات یاد آ گئی' صوفی شعراء اور بعض فلاسفروں نے یہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے خصوصاً" برکلے کے فلسفہ کا تو ماحصل ہی یہ ہے کہ۔

عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

یعنی حقیقتاً" صرف ایک ذہن کل موجود ہے اور باقی سب کچھ اسی ذہن کے تصورات ہیں۔ قرآن کی بعض آیات سے بھی ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہی سب سے اول و آخر اور ہر چیز کے اندر و باہر اور ہر شے کو محیط ہے تو کائنات کی حیثیت اس کی ذات میں یقیناً" ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسی ذہن میں تصورات کی' یا یوں سمجھو کہ جب نقاش صفحہ قرطاس پر ایک تصویر کھینچنا چاہتا ہے تو جس طرح وہ تصویر کاغذ پر آنے سے پہلے نقاش کے ذہن میں موجود ہوتی ہے اسی طرح یہ کائنات مصور حقیقی کے ذہن میں موجود ہے۔ اس مثال کو وحدت الوجود کے ماننے والے بہت زور و شور سے اپنے عقیدے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اس بارے میں ان سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ کیا وہ تصویر جو مصور کے ذہن میں موجود ہے اس کے دماغ کا کوئی حصہ یا اس کے جسم کا کوئی عضو ہے؟۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس تصویر کی کیا حیثیت اور حقیقت ہے' کیا وہ اس ذہن اور دماغ کی مخلوق نہیں؟

یہ سب کچھ تو ہم ایک رو اور جذبہ میں بیان کر گئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کا ایک شمہ بھی نہ تو کسی سے بیان ہوا ہے نہ ہو سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے کوئی لفظ صحیح طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا مثلاً" بڑا' چھوٹا' ظاہر' چھپا وغیرہ وغیرہ۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ' آنکھیں' چہرہ اور زبان یا روح اور نفس ہے' لیکن سمجھنے سمجھانے کے لئے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے اور ہم کیا کہتے ہیں وہ خود اپنے لئے فرماتا ہے کہ میں سمیع ہوں' بصیر ہوں یعنی سنتا اور دیکھتا ہوں' وہ اپنے ہاتھ بھی بیان کرتا ہے یداللہ فوق ایدیھم' وہ اپنے چہرے کا بھی ذکر کرتا ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ وہ اپنے لئے نفس کا ہونا بھی فرماتا ہے وکتب علی نفسہ الرحمتہ' کہتا ہے کہ میری روح بھی ہے نفخت فیہ من روحی۔ اس لیے ہم بھی مجبور ہیں کہ اس کا بیان کرتے ہوئے یہ

سب الفاظ استعمال کریں ورنہ اس کی ذات تمام الفاظ اور افہام و تفہیم سے کہیں ارفع و اعلیٰ اور ماورا ہے۔

تیسرا طریقہ :۔ تفکر بالمشاہدہ کا ایک اور بھی ہے' یعنی چیزوں کی شکل و صورت اور حسن و لطائف پر غور کرنے کی بجائے ان کی ساخت پر غور کیا جائے اور تجربہ کر کے دیکھا جائے کہ وہ کن عناصر یا اجزا کو کس نسبت سے ملا کر بنائی گئی ہیں' اور ہم انہی عناصر یا اجزا کو اسی یا دیگر نسبتوں سے ملا کر کیا کیا چیزیں بنا سکتے ہیں اور وہ انسان کے فائدے کے لئے کس طرح استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اس طریقہ تفکر میں روشنی' حرکت' برق' ایتھر' قدرتی شعاعوں کے خواص اور ان قوانین کے اکتشافات بھی شامل ہیں جن کے مطابق یہ چیزیں کام کرتی ہیں' اسی کا نام سائنس ہے اور اسی سے وہ علوم وجود میں آتے ہیں جو آجکل یورپ و امریکہ کا طرہ امتیاز بنے ہوئے ہیں' یہی وہ علوم ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے آیات اللہ پر غور کرنے کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اور ہم نے آج تک اس پر عمل نہیں کیا' اگر آپ موجودہ ذلت و رسوائی سے چھٹکارا اور عاقبت کے عذاب سے نجات پانا چاہتے ہیں تو ان علوم کو حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اس عملی طریقہ تفکر سے یقیناً" اللہ تعالیٰ کا دیدار تو نہیں ہو گا لیکن اس کی موجودگی پر یقین محکم ضرور پیدا ہو جائے گا' چنانچہ جب سے یہ اکتشاف ہوا ہے کہ ایٹم کے پھٹنے سے انرجی (توانائی) پیدا ہوتی ہے' سائنس کے اس مسلمہ کا خاتمہ ہو گیا ہے کہ مادہ فنا نہیں ہوتا۔ اب تمام سائنس دان اس بات کے قائل ہیں کہ اس مادی دنیا سے آگے ایک اور دنیا ہے جس کو میٹا فزیکل ورلڈ (عالم ماورائے مادہ) کہتے ہیں۔ یہ تو ابتدائے عشق ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ ہمارا تو ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سائنس کے ذریعہ سے بھی اپنی ہستی کو منوا کر رہے گا۔ اس نے مخلوق اور خصوصاً" انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ پہچانا جائے اور سب اس کی پرستش کریں ۔ یقین ہے کہ ایک دن یورپ کا بچہ بچہ حتیٰ کہ ملحد اور منکر خدا کمیونسٹ بھی ایمان لے آئیں گے۔ وہی دن ہو گا جب قرآن اور اسلام کی صداقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جائے گی۔ یہ صرف گمان اور قیاس نہیں ہے ایسا یقیناً" ہو کر رہے گا چونکہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے کہتے ہیں :۔

سنریهم ایتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربک انه

علی کل شئی شھید الا انھم فی مریتہ من لقاء ربھم الا انہ بکل شیی محیط

یعنی ان لوگوں کو (منکرین کو) ہم یہ نشانیاں تمام اطراف عالم میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفوس میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز کا شاہد ہے خبردار کہ انہیں اپنے رب کی ملاقات میں شک ہے' یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (سورہ حم سجدہ آیت ۵۳ اور ۵۴)

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ہم تمام اطراف عالم میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے وہ تو نظر آ ہی رہی ہیں کہ قدرت کے سینکڑوں راز معلوم ہو چکے ہیں' جس کے نتیجہ میں اب چاند اور ستاروں کا سفر در پیش ہے اور ایک عالم ماورائے مادہ کا عقیدہ قائم ہو چکا ہے' لیکن یہ جو فرمایا ہے کہ ہم ان کے نفوس میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے' یہ بہت قابل غور بات ہے۔ ایکس رے کے ذریعہ بدن کے اندر اعضائے رئیسہ کے حالات تو بہت کچھ اب دکھائی دینے لگے ہیں' کہیں یہ تو مراد نہیں کہ آئندہ آلات کے ذریعے انسانی عقل' نفس اور روح وغیرہ کی طاقت اور لطافت و کثافت بھی معلوم ہو جایا کرے گی' دل کے خیالات بھی ریکارڈ ہونے لگیں گے وغیرہ وغیرہ' تعجب تو کچھ نہیں اگر ایسا ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ جو کہا ہے کہ انہیں ہماری لقاء پر شک ہے مگر ہم ہر چیز پر محیط ہیں۔ اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ آئندہ کچھ ایسے آلات نکل آئیں کہ خدا کی موجودگی اس قدر ثابت و ظاہر ہو جائے جیسے آنکھوں سے دیکھ کر ہوتی ہے۔

خواجہ خواجگان پیر پیراں حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ

(غلام مرتضیٰ)

آپ کی نسبت باطنی ظاہرا" حضرت سید امیر کلال" سے ہے مگر حقیقتاً" آپ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی" کے اویسی فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش و وصال قصر عارفاں ہے جو بخارا سے ایک کوس کے فاصلہ پر گاؤں ہے آپ کی ولادت باسعادت ماہ محرم ۷۲۱ھ میں ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی" نے آپ کے ظہور کی بشارت آپ کی پیدائش سے پہلے دی تھی اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کو اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا اور آپ کی تربیت کے لئے حضرت سید امیر کلال" کو حکم فرمایا۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین" معاملات میں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی" کی طرف سے عزیمت پر عمل کرنے کے لئے مامور تھے اس لیے آپ نے ذکر خفی اختیار فرمایا اگرچہ بزرگان سلسلہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی" کے زمانہ سے حضرت سید امیر کلال" تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے۔ لیکن جونہی مریدان حضرت سید امیر کلال" ذکر جہری شروع کرتے جناب خواجہ حلقہ ذکر سے اٹھ جاتے آپ کا یہ طرز عمل حضرت سید امیر کلال" کے مریدوں کو ناگوار گذرتا چنانچہ آپ کی خدمت میں شکایت کی مگر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی بلکہ حضرت خواجہ کی طرف اور التفات دن بدن بڑھتی جاتی تھی اور حضرت خواجہ بھی حضرت امیر کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ ادب کا اٹھا نہ رکھتے تھے اور ہمیشہ سر تسلیم حضرت امیر کے آستانہ ارادت پر رکھتے تھے۔ ایک روز حضرت امیر قدس سرہ نے اپنے تمام چھوٹے بڑے مریدوں کے مجمع کثیر اور جم غفیر جو کہ تقریباً پانچ سو آدمی مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کیلئے قریا سوخار میں جمع ہوئے تھے ارشاد فرمایا کہ اے دوستو میرے فرزند بہاؤالدین کے بارے میں تم بد گمانی کرتے ہو۔ تم نے اس کو پہچانا نہیں ہے پھر آپ نے حضرت خواجہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا اے میرے فرزند بہاؤالدین تمہارے لیے جو وصیت حضرت خواجہ محمد بابا سماسی" نے تھی کہ جیسے میں نے تمہاری تعلیم و تربیت کی ہے تم بھی میرے فرزند

بہاؤالدین کی ویسی ہی تربیت کرنا اور اس میں کچھ کمی نہ کرنا میں نے اس وصیت پر پوری پوری تعمیل کی پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے اپنے پستان کو خشک کرلیا اب تمہاری روحانیت کا مرغ بشریت کے انڈے سے باہر نکل گیا ہے مگر تمہاری ہمت کا مرغ بہت بلند پرواز واقع ہوا ہے اب تم کو اجازت ہے کہ جہاں سے خوشبو تمہارے دماغ میں پہنچے ترک و تاجک سے طلب کرو اور اپنی ہمت کے مطابق طلب کرنے میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کرو۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ایک خواب دیکھی کہ حکیم عطاقدس سرہ جو اکابر اولیائے ترک میں سے تھے مجھ کو ایک درویش کے سپرد کر رہے ہیں جب میں بیدار ہوا تو اس درویش کی صورت میرے ذہن میں محفوظ تھی میری دادی ایک صالحہ بی بی تھیں میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ اے فرزند تجھ کو مشائخ ترک سے کچھ فیض پہنچے گا چنانچہ میں ہمیشہ اس بزرگ کا جویاں رہتا تھا یہاں تک کہ ایک روز بخارا کے بازار میں ان سے ملاقات ہوگئی میں نے ان کو پہچانا ان کا نام خلیل تھا۔ مگر اس ملاقات میں ان کی صحبت میسر نہ ہوسکی جب میں مکان پر پہنچا تو ایک قاصد آیا اور کہا کہ خلیل تم کو بلا رہے ہیں مجھے بہت خوشی ہوئی فوراً" کچھ تحفہ اپنے ساتھ لے کر نہایت شوق اور عقیدت سے ان خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چاہا کہ اپنا خواب بیان کروں انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے ہمارے سامنے ظاہر ہے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے ان کی اس بات سے میں بہت متاثر ہوا اور ان کی صحبت کا اشتیاق مجھ کو بڑھ گیا ان کی صحبت میں عجیب حالات ظاہر ہوئے اتفاقاً" اسی زمانہ میں ان کو سفر درپیش ہوا اور وہ تشریف لے گئے پھر ایک مدت کے بعد مجھ کو خبر ہوئی کہ درویش خلیل کو مملکت ماوراء النہر کی بادشاہی ملی ہے چند روز گذرنے پائے تھے کہ مجھ کو ایک مقدمہ کے رفع کرنے کی ضرورت سے ان کی سلطنت میں جانے کا سلسلہ ہوا اس مقدمہ کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے مجھ کو اپنی خدمت اور صحبت کی عزت بخشی سلطنت کے زمانہ میں ان سے بڑے بڑے حالات مشاہدہ ہوئے میرے حال پر انہوں نے بڑی مہربانی فرمائی آداب خدمت مجھ کو سکھائے ان آداب کا حصول اس راہ کی سیر و سلوک میں مجھ کو بڑا کار آمد ہوا چھ برس تک میں اس طریقہ سے ان کی خدمت میں رہا کہ دوبار میں ان کے ساتھ سلطنت کے آداب بجالاتا اور خلوت میں ان کا محرم خاص رہتا تھا اپنے

خاصان مملکت کے سامنے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص رضائے خدا کے لئے خدمت کرتا ہے وہ مخلوق میں بزرگ مرتبہ کو پہنچتا ہے مجھے معلوم تھا کہ اس کلام سے ان کا کیا مقصد تھا اور کیا مراد تھی اور فرمایا کہ ابتدائے احوال و غلبات اور جذبات و بے قراری کے زمانہ میں راتوں کو اطراف بخارا میں پھرا کرتا تھا اور ہر مزار پر جاتا ایک رات تین متبرک مزاروں پر پہنچا جس مزار پر میں جاتا اس پر ایک چراغ روشن نظر آتا چراغ دان تیل اور بتی سے بھرا ہوتا مگر بتی کو تھوڑی سی حرکت دینا پڑتی تاکہ تیل سے باہر آ جائے اور روشنی از سرنو تازہ ہو جائے شروع رات میں حضرت عبدالواسع قدس سرہ کے مزار پر پہنچا وہاں سے اشارہ ہوا کہ مزار حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہ پر جانا چاہیے جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں دو تلواریں میری کمر سے باندھی گئیں اور ایک گھوڑے پر مجھ کو بٹھایا گیا اور گھوڑے کی باگ خواجہ مزداجن قدس سرہ کے مزار کی طرف پھیر کر مجھ کو روانہ کر دیا آخر رات میں ان بزرگ کے مزار پر پہنچا وہاں بھی ایسا ہی چراغ نظر آیا میں نے اس کی بتی بھی اونچی کی اور قبلہ رو ہو کر بیٹھا اور بے خبر ہو گیا اس بے خودی میں میں نے دیکھا کہ جانب قبلہ کی دیوار شق ہو گئی اور ایک بڑا تخت نظر آیا جس پر ایک بزرگ تشریف فرما تھے ایک سبز پردہ ان کے سامنے کھنچا ہوا تھا اور اس تخت کے گرداگرد ایک جماعت حاضر تھی اس جماعت میں سے میں نے حضرت بابائے سماسی قدس سرہ کو پہچانا تو میں نے جان لیا کہ یہ سب لوگ انتقال کیے ہوئے ہیں مگر مجھ کو خیال پیدا کہ یہ کون بزرگ لوگ ہیں اور یہ جماعت کن لوگوں کی ہے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ وہ بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ ہیں اور یہ جماعت آپ کے خلفاء کی ہے اور ان کے نام مجھ کو شمار کرائے اور ایک کی طرف ان میں سے اشارہ کیا کہ یہ خواجہ محمد صدیق ہیں اور یہ خواجہ اولیاء کبیر ہیں اور یہ خواجہ عارف ریوگری ہیں اور یہ خواجہ محمود انجیر فغنوی ہیں اور یہ حضرت خواجہ رامیتنی ہیں۔ جب حضرت خواجہ محمد بابا سماسی تک پہنچا تو کہا کہ تم نے ان کو حالت زندگی میں دیکھا ہے یہ تمہارے پیر ہیں اور انہوں نے تجھ کو اپنی ٹوپی بھی عطا کی تھی میں نے کہا کہ وہ تمہارے گھر میں موجود ہے تم کو یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ جو بلا کہ دنیا میں کسی پر نازل ہو تمہاری برکت سے دفع ہو جائے گی۔ پھر اس جماعت نے مجھ سے کہا کہ کان لگاؤ اور اسی طرح سنو کہ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدانی قدس سرہ کچھ تم سے ارشاد فرمائیں گے جو سلوک طریق حق تعالیٰ میں تمہارے لئے نہایت ہی ضروری ہیں میں نے کہا کہ میں حضرت خواجہ کو سلام کرنا چاہتا ہوں پس وہ سبز پردہ میرے سامنے سے اٹھالیا گیا میں نے حضرت خواجہ کو سلام کیا حضرت خواجہ نے دو ارشادات ایسے فرمائے جو ہرایک مرتبہ سلوک ابتداء اوسط اور انتہاء کے لئے نہایت ہی کارآمد ہیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ چراغ دان جو تیل سے بھرا ہوا تم نے دیکھا تھا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ میں اس طریقہ کے حصول کی قابلیت اور استعداد موجود ہے لیکن استعداد کی بتی کو حرکت دو۔ تاکہ چراغ روشن ہو اور اسرار ظاہر ہوں اور قابلیت کے مطابق عمل کرو کہ مقصود حاصل ہو۔ دوسرا ارشاد یہ تھا کہ جس میں آپ نے مبالغہ سے یہ تاکید فرمائی کہ کسی بھی حالت میں جادہ شریعت اور استقامت سے قدم باہر نہ رکھنا چاہیے اور عزیمت و سنت پر عمل کرنا رخصت اور بدعت سے دور رہنا اور ہمیشہ احادیث نبوی ﷺ کو اپنا پیشوا بنانا چاہیے اور اسوہ رسول اکرم ﷺ اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کے متلاشی رہنا لازم ہے اس گفتگو کے ختم ہونے کے بعد خلفاء حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ نے مجھے فرمایا کہ اس حال کی سچائی اور اس گفتگو کی حقیقت پر شاہد یہ امر ہے کہ آپ مولانا شمس الدین کے پاس جایئے اور ان سے فرمایئے کہ فلاں ترک نے سقا پر دعویٰ کیا ہے اور حق اس ترک کی طرف ہے مگر آپ سقا کی طرف داری کر رہے ہیں اگر سقا ترک کے دعویٰ کے حق ہونے سے انکار کرے تو آپ سقا سے فرمایئے کہ اے سقا تشنہ وہ اس کلام سے سمجھ جائے گا اور دوسرا شاہد یہ ہے کہ سقا نے ایک عورت سے زنا کیا ہے اور جب وہ حاملہ ہوئی تو حمل کو ساقط کر دیا اور بچہ کو فلاں موضع میں دفن کر دیا اس پیغام کے پہنچانے کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت تین مویشی لے کر ریگستان مردہ کی راہ سے شہر نسف کی طرف جایئے جب آپ پشتہ سے پار ہو جائیں تو ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہو گی وہ ایک گرم روٹی آپ کو دے گا۔ آپ اس سے لے لیں اور کوئی بات اس سے نہ کریں ایک اور قافلہ ملے گا اس میں سے ایک سوار سے آپ کی ملاقات ہو گی آپ اس کو نصیحت کرنا وہ آپ کے ہاتھ پر توبہ کرے گا۔ اور حضرت کی کلاہ مبارک جو آپ کے پاس ہے اس کو سید امیر کلال کی خدمت میں لے جانا۔ پھر اس جماعت نے مجھ کو

حرکت دی اور میں ہوش میں آ گیا۔ میں اسی وقت عجلت کے ساتھ گھر گیا اور گھر والوں سے ٹوپی کا قصہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک مدت سے وہ کلاہ فلاں مقام پر پڑی ہوئی ہے۔ جب کلاہ مبارک پر میری نظر پڑی تو میرا حال متغیر ہوا اور میں بہت دیر تک روتا رہا پھر صبح کی نماز مولانا شمس الدین قدس سرہ کی مسجد میں ادا کر کے مولانا سے سارا واقعہ بیان کیا وہ بہت حیران ہوئے سقا ان کے پاس موجود تھا وہ ترک کے دعویٰ کی حقانیت سے منکر ہوا میں نے سقا سے کہا کہ میرا ایک گواہ یہ ہے کہ تو سقائے تشنہ ہے۔ پھر میں نے سقا کے زنا اور حمل اور بچے کو دفن کرنے کا واقعہ موقع سے عرض کیا مولانا اور حاضرین مسجد اس مقام پر گئے اور جستجو کی تو بچہ اس مقام سے برآمد ہوا۔ سقا اپنے قصور پر نادم ہوا اور معافی مانگی۔ دوسرے دن اشراق کے وقت میں نے تین مویشی لیے اور میں ریگ مروہ کے راستہ نسف کی طرف چلا میری روانگی کی خبر پا کر مولانا نے مجھے طلب کیا اور بہت توجہ فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ تجھ میں طلب کا درد پیدا ہوا ہے اور اس درد کی دوا میرے پاس ہے تم یہیں ٹھہر جاؤ تاکہ میں تمہاری تربیت کروں مولانا کے اس ارشاد کے جواب میں میری زبان سے یہ نکلا کہ دوسروں کا فرزند ہوں ایسا نہ ہو کہ آپ پستان تربیت میرے منہ میں رکھیں اور میں اس کے سر کاٹوں یہ سن کر مولانا خاموش ہو رہے اور مجھ کو جانے کی اجازت دے دی۔

شرابی کی توبہ

میں نے اپنی کمر مضبوط باندھی اس کے بعد میں روانہ ہو گیا پشتہ کے پار ہونے کے بعد ایک پیر مرد سے ملاقات ہوئی اس نے ایک گرم روٹی مجھے دی میں نے وہ لے لی اور کوئی بات ان سے نہ کی۔ وہاں سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک قافلہ ملا قافلہ والوں نے مجھ سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو میں نے البکت سے کہا۔ انہوں نے پوچھا کہ وہاں سے کب روانہ ہوئے۔ میں نے کہا طلوع آفتاب کے وقت جب میں ان سے ملا چاشت کا وقت تھا وہ لوگ بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم کل شام کے نکلے ہوئے ہیں جب میں ان کے پاس آگے بڑھا تو ان میں سے ایک سوار میرے پاس آیا اور اس نے سلام کیا اور کہا کہ آپ کون ہیں مجھے آپ سے خوف معلوم ہوتا ہے میں نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں جس کے ہاتھ پر تجھے توبہ کرنی چاہیے۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور

التجا کر کے اس نے توبہ کی وہ سوار اپنے ساتھ بہت سی شراب لیے ہوئے تھا سب شراب پھینک دی۔

حضرت سید امیر کلالؒ کی خدمت میں حاضری

میں وہاں سے حضرت سید امیر کلال قدس سرہ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور آپ کی ملاقات سے مشرف ہوا کلاہ شریف آپ کی خدمت میں پیش کی حضرت امیر قدس سرہ نے بہت کچھ توجہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ یہ ٹوپی حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی قدس سرہ کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کلاہ کو دو پردوں میں محفوظ رکھو۔ میں نے قبول کیا اور کلاہ مبارک لے لی۔

حضرت منصور حلاجؒ

آپ نے فرمایا کہ منازل اور مقامات طے کرنے کے زمانہ میں حضرت منصور حلاجؒ کا سا حال مجھ میں دو مرتبہ پیدا ہوا اور قریب تھا کہ میری زبان سے صدا نکلے جو حضرت منصور کی زبان سے نکلی تھی وہاں تو ایک ہی دار تھی اور میں دو مرتبہ اپنے آپ کو اس دار تک لے گیا اور اپنے آپ کو کہا کہ تیری جگہ اس دار پر ہے۔ لیکن وحی الہی سے یہ منزل طے ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر روئے زمین پر حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کے خلفاء میں سے ایک بھی موجود ہوتا تو منصور ہرگز دار پر نہ چڑھتے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات

آپ نے فرمایا کہ ذوق و شوق کے غلبہ کے زمانے میں ایک روز بخارا سے نسف کی طرف جا رہا تھا کہ صحبت حضرت سید امیر کلال قدس سرہ سے مستفیض ہو سکوں جب میں جغراتی کے مسافر خانہ کے قریب پہنچا تو حضرت خضر علیہ السلام ایک سوار کی صورت میں گلہ بانوں کی طرح ایک لکڑی ہاتھ میں لئے نمدہ کی ٹوپی پہنے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور وہ لکڑی مجھے ماری ترکی زبان میں کہا کہ تو نے گھوڑوں کو دیکھا ہے میں خاموش رہا حالانکہ کئی مرتبہ انہوں نے میرا سامنا کیا اور یوں پیش آئے میں نے کہا میں آپ کو پہچانتا ہوں آپ خضر ہیں۔ پھر وہ سرائے قراول تک میرے پیچھے پیچھے

آئے اور مجھ سے فرمایا آئیے تھوڑی دیر ہم اور آپ ہم صحبت رہیں میں نے ان کے کہنے پر کوئی توجہ نہ دی جب میں حضرت سید امیر کلال قدس سرہ کی خدمت مبارک میں پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ تم راستہ میں خضر علیہ السلام کی طرف ملتفت نہیں ہوئے میں نے کہا جی ہاں میں آپ کی جناب کی طرف متوجہ تھا اس لئے ان کی طرف توجہ نہ دے سکا۔

قریب راستہ

آپ نے فرمایا اگرچہ نماز' روزہ' ریاضت و مجاہدے حضرت حق تعالیٰ و تقدس تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں لیکن ہمارے نزدیک اپنے اختیار کو ترک کرنے اور اپنے اعمال کو قصور وار دیکھنے کے بغیر معاملہ درست نہیں ہوتا۔

امت مرحومہ

آپ نے فرمایا کہ رحمتہ للعالمین ؐ نے ارشاد فرمایا نصیب امتی من نار جھنم کنصیب ابراھیم من نار نمرود میری امت کے حصہ میں نار جہنم ایسی ہو گی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حصہ میں نار نمرود۔

ولایت

آپ نے فرمایا کہ ولایت بڑی نعمت ہے ولی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی محفوظ ہوتا ہے۔ عنایت الٰہی ولی کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفات سے اس کو محفوظ رکھتی ہے۔ خوارق اور کرامات کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہیں ہونا چاہیے۔ معاملہ استقامت پر ہے۔ اولیائے کرام نے فرمایا ہے کن طالب الاستقامہ لا طالب الکرامہ فان ربک یطلب منک الاستقامہ و نفسک یطلب منک الکرمہ استقامت کا طلب گار بن۔ کرامت کا طلبگار نہ بن کیونکہ تیرا رب تجھے استقامت کا حکم دیتا ہے اور تیرا نفس تجھ سے کرامت چاہتا ہے اور فرمایا کہ بزرگان دین کا ارشاد ہے کہ اگر ولی کسی باغ میں چلا جائے اور درخت کے ہر پتہ سے آواز نکلے کہ اے خدا کے ولی تو پھر بھی ظاہر و باطن سے اس کی طرف توجہ نہ ہو گی بلکہ ہر لحظہ اس کی کوشش ہو گی کہ بندگی اور تضرع و نیاز مندی کی صفت میں زیادتی کرنے

لگے۔ حضور نبی کریم ﷺ میں یہ انتہائی کمال تھا کہ جس قدر انعام و اکرام خداوندی آپ پر زیادہ ہوتا اسی قدر آپ کی بندگی نیازمندی و مسکنت زیادہ ہوتی تھی چنانچہ اسی سبب سے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

طریقہ نقشبندیہ

آپ نے فرمایا کہ ہمارا طریقہ نادر اور عروہ وثقی ہے سنتؐ نبی کریم ﷺ کی بدرجہ کمال اقتدا کرنا اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کرنا اس راستہ میں ہم کو محض فضل سے لایا گیا ہے۔ آخر تک اسی فضل حق سبحانہ کا مشاہدہ کرتے ہیں نہ اپنے عمل کا۔ ہمارے طریقہ میں عمل سے بہت سی فتوحات ہیں مگر اتباع کی رعایت بہت ہی بزرگی والا کام ہے۔ فرمایا کہ ہمارے طریقہ سے جو روگردانی کرے اس کے دین کی خرابی کا اندیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا طریقہ صحبت یعنی ملے جلے رہنے کا ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت ہی آفت ہے خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت سے حاصل ہوتی ہے اور صحبت ایک دوسرے کی نفی میں ہے اور فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں یہ بھی ہے کہ سالک کو نہیں جاننا چاہیے کہ وہ کس مقام میں ہے تاکہ یہ دانست اس کے راستہ کا حجاب نہ بنے۔ پیر کو چاہیے کہ طالب کے گذشتہ اور آئندہ کے حالات سے باخبر رہے تاکہ اس کے مطابق تربیت کر سکے۔ شرائط طلب میں سے یہ امر بھی ہے کہ جب کبھی جن دوستان حق سبحانہ کی مصاحبت کا اتفاق ہو اپنے حال سے باخبر ہو اور اس وقت صحبت کو زمانہ گذشتہ سے موازنہ کرے۔ اگر نقصان کی کمی اور کمال کی زیادتی اپنے اندر پائے تو بقول اس مقولہ کے اچھی بات کو اختیار کر لو اور اس کی صحبت کو اپنے اوپر فرض عین سمجھے۔

مراقبہ ☆ مشاہدہ اور محاسبہ

خدا تعالیٰ کی معرفت کے راستے جن سے عارفوں کو خدا کی معرفت حاصل ہے دوسرے اس سے محروم ہیں اس کے تین طریقے ہیں۔ مراقبہ یہ ہے کہ نسیان رویہ المخلوق بدوام النظر الی الخالق خالق کی طرف ہر وقت دیکھتے رہنے کی وجہ سے مخلوق کی دید کو بالکل بھول جانا۔ مراقبہ کی مداومت نادر چیز ہے جس کو کماحقہٗ کم لوگوں نے حاصل کیا ہے اور میں نے اس کے حصول کے

طریقہ کو معلوم کرلیا ہے اور وہ نفس کی مخالفت اور سنت کی متابعت ہے۔

مشاہدہ واردات غیبی کے معائنہ کو کہتے ہیں جو سالک کے دل پر نزول کرتی ہیں چونکہ جلدی گذر جاتی ہیں اور قرار نہیں پکڑتیں اس لئے ان کا ادراک نہیں ہو سکتا مگر وہ صفت جو ہمارا حال بن جاتی ہے ہم اس کو قبض اور بسط سے پہچان لیتے ہیں یعنی حالت قبض میں صفت جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حالت بسط میں صفت جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور محاسبہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر گذرتا ہے ہم ہر گھڑی اس کا حساب کرتے ہیں کہ کس طرح گذر رہا ہے اگر ہم دیکھتے ہیں کہ نقصان کی چیز ہے تو ہم اس سے باز گشت کرتے ہیں اور از سر نو عمل اختیار کرتے ہیں۔ اگر دیکھتے ہیں کہ بہتر چیز ہے تو مشکور ہو کر ہم اس حال میں ٹھہر جاتے ہیں اور اس عمل میں کوشش کرتے ہیں۔ (جاری ہے)

حقیقت دین

(علامہ سید رشید رضا المصری)

دین کے بنیادی اصول تین ہیں۔ ان ہی اصولوں کی تمام دنیا کے پیغمبروں نے دعوت دی ہے اور ان ہی اصولوں پر نوع انسان کی بہتری' بھلائی' کامیابی اور نجات موقوف ہے۔ قرآن نے ان اصولوں کی طرف تمام اولاد آدم کو اس طرح دعوت دی ہے۔

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصری والصابین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (پ ا رکوع ۷)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی بنے اور جو لوگ نصاریٰ اور صابین ہوئے ان میں سے جو بھی خدا پر ایمان لائے' یوم قیامت پر ایمان لائے اور نیک عمل کریں تو ان کا ثواب خدا کے پاس ہے ان کے لئے کوئی ڈر نہ ہو گا اور کوئی غمگینی نہیں ہو گی۔

آپ کے سامنے ان ہی تینوں اصولوں کی حقیقت مختصراً پیش کی جائے گی اور واضع کیا جائے گا کہ قرآن مجید نے ان اصولوں کے متعلق جو روشنی پیدا کی ہے۔ وہ اس قدر کامل اور جامع ہے کہ تمام مذاہب کی کتابیں اس کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اس مختصر مضمون سے کئی غلط خیالات اور گمراہ کرنے والے عقائد کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ جو مختلف نبیوں کی امتوں میں خواہشات نفسانی کی پیروی سے یا رسم و رواج کی غلامی سے یا قبیلہ و خاندان کی تقلید سے پیدا ہو گئے ہیں۔ چونکہ زیر بحث اصولوں کے وجود کا ان اقوام میں بھی پتہ چلتا ہے۔ جو صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ جیسے قدیم مصری اور کلدانی یا ابھی تک موجود ہیں' جیسے ہندو' مجوسی اور چینی۔ لہٰذا ہم ان اقوام کے سامنے یہ روشن حقیقت رکھنا چاہتے ہیں کہ آج جن اصولوں پر ان کے مذاہب کی بنیاد ہے' یہ وہ اصول نہیں ہیں جنہیں خدا نے بھیجا تھا اور جو ان کے بزرگوں میں رائج تھے۔ ہم یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ ان اقوام میں جو دین آج رائج ہے اس سے ان کے اعمال' اخلاق اور روحانیت کی اصلاح ہر گز نہیں ہو سکتی اور یہ کہ آج صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس کی سچائی پر عقل و نقل کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ اور جو انسان کی جملہ ضروریات میں ہدایت کی روشنی عطا فرما سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم دین کے بنیادی اصول (اللہ پر ایمان لانا) کے متعلق قرآن کا کارنامہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

دین کی پہلی اصل ایمان باللہ یہود و نصاریٰ کی گمراہی

دین کا پہلا عقیدہ نہایت اہم ' اصل اور سب سے ضروری رکن ' خدا پر ایمان لانا ہے۔ لیکن دنیا بھر کی قومیں اسی اصل میں صحیح راستے سے دور جا پڑیں۔ حتیٰ کہ وہ قومیں بھی دور جا پڑیں۔ جو پیغمبروں کے زمانہ ہدایت سے قریب تھیں۔ مثلاً " یہودی ' اگرچہ یہ لوگ عقیدہ توحید کے مدعی ہوئے۔ مگر انہوں نے خدا میں انسانوں جیسے صفات کو تسلیم کر کے اور وہ اس امر کو بالکل بھول گئے کہ خدا کو انسانی عادات و جذبات اور بشری کمزوریوں سے پاک ہونا چاہیے۔ یہودی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا انسان کو پیدا کر کے شرمندہ ہوا یا پچھتایا۔ کیونکہ اسے معلوم نہ تھا کہ انسان بالکل خدا کی طرح یا دوسرے معبودوں کی مانند بن جائے گا۔ اسی طرح ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خدا انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ پھر اسرائیل سے اس کی کشتی ہوئی اور وہ اسرائیل کی گرفت سے اس وقت تک آزاد نہ ہو سکا جب تک کہ اس نے اسرائیل کو برکت نہ دی۔ ان فاسد اور غلط خیالات کے علاوہ یہودیوں نے بعل اور دوسرے بتوں کی پرستش بھی شروع کر دی۔

عیسائیوں نے قسطنطین کے زمانے میں پرانی بت پرستی کو پھر زندہ کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو رب قرار دیا۔ ولیوں اور بزرگوں کی پرستش شروع کی اور تمام دنیا میں شرک کا طوفان پھیلا دیا۔ چنانچہ آج ان کے گرجے بت پرستوں کے مندروں کی طرح مختلف تصویروں سے آراستہ نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں تثلیث ' صلیب اور فدیہ کے عقائد کا رواج ہوا اور یہی عقائد حاصل مذہب اور مجموعہ دین قرار پا گئے۔ دراں حالیکہ یہ چیزیں انکے دین کی بنیاد نہ تھیں۔ آپ دیکھیں کہ عقیدہ تثلیث کے لغو فلسفہ کی اشاعت میں عیسائی دنیا آج بھی کتنی سرگرم ہے؟ بڑے بڑے بادشاہ اس کے پھیلانے میں مصروف ہیں۔ لاکھوں روپے اس راہ میں صرف کئے جا رہے ہیں۔ بچوں کے دلوں میں ابتداء ہی سے عقیدہ تثلیث کو اس طرح بٹھا دیا جاتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر کسی صحیح دلیل کو نہ مانیں اور کسی معقول بات کو تسلیم نہ کریں۔

آپ انکار نہیں کرسکتے کہ قرآن پاک نے بت پرستی کے ان تمام حلقوں کو جو دماغ میں قائم ہو چکے تھے۔ ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیا ہے۔ اس کی روشنی نے شرک کی تاریکیوں کو دور کردیا ہے۔ جو دلوں پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس کی تعلیم توحید نے غلط عقائد اور گمراہ کرنے والے خیالات کو مٹا کر دنیا کے سامنے خدا کی توحید کا صحیح نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اب دیکھئے کہ قرآن نے یہ کارنامہ کس کس طرح انجام دیا ہے کس کس طرح دماغ کو گھیرا ہے اور خدا کی طرف متوجہ کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اتنا زبردست کارنامہ چند دلائل کے مرتب کردینے سے انجام نہیں پا سکتا تھا۔ اس کام کے لئے ضروری تھا کہ ایک ایک کرکے تمام شبہات کو زائل کیا جاتا۔ مختلف طریقوں سے عقلی و علمی دلائل کی تفصیل بیان کی جاتی اور عملی طور پر یہ نقش ہر ایک کے دل میں بٹھا دیا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ قرآن پاک میں عجیب عجیب انداز سے اور نہایت موثر طریقوں اور مثالوں سے مسئلہ توحید کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اسی مسئلہ کو سب سے زیادہ دہرایا گیا ہے۔ مثلاً" بہت سی آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بے مثال ہے۔ صرف اس کی ذات قابل عبادت ہے وہی تمام عالم کا مالک و حاکم ہے اس کے ماسوا سب اس کے بندے اور تابع ہیں اس کے مقابلے میں نہ کوئی طاقت فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ ضرر دے سکتی ہے۔

پھر متعدد مقامات پر ذکر ہے کہ وہی اس دنیا کا پیدا کرنے والا، نظام عالم کا قائم رکھنے والا، تدبیر کرنے والا، قوانین و احکام بھیجنے والا ہے۔ لیکن ان مضامین سے صرف یہ مقصود نہیں ہے کہ جو لوگ خدا کو بے کار اور معطل سمجھتے ہیں یا خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں انکو خدا کی پروردگاری اور قدرت کا قائل کیا جائے۔ بلکہ ان مضامین کا اکثر حصہ ان لوگوں کی بے عقلی اور گمراہی کو آشکار کرنے پر خرچ کیا گیا ہے۔ جو خدا کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے حاجت براری کی دعائیں مانگتے ہیں۔ پھر دور دراز مقامات پر جا کر بتوں وغیرہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے خدا کا تقرب ڈھونڈھتے ہیں یا ان کو اپنا حاجت روا قرار دیتے ہیں۔ آج جس چیز نے ضعیف العقل لوگوں کے عقائد کو بہت زیادہ فاسد کر رکھا ہے وہ یہی ہے کہ لوگوں نے اپنی ضروریات، محتاجی، تنگی اور مصیبت میں خدا کو چھوڑ کر مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانا شروع کردیا ہے،

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ طرح طرح کے توہمات اور خرافات اور کئی قسم کی غلامیاں آ آ کر مذہب میں شامل ہو گئی ہیں اور بے شمار لوگ دنیاوی تجربات کے صریح خلاف کئی قسم کی کمزور باتون پر بھی یقین کرنے لگے ہیں۔

چند سال پیشتر سردی کے موسم میں جب نہایت سخت جاڑا پڑا تھا اور مختلف مقامات سے اولوں کے گرنے کی خبریں ملیں تو مصر میں اکثر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ چونکہ مصر میں فلاں فلاں بزرگوں کے مزارات ہیں اس لئے اس لئے ژالہ باری سے محفوظ رہا اسی طرح ہندوستان میں جب سخت زلزلہ آیا جس میں بے شمار مکانات منہدم ہو گئے اور بعض مندر اور شوالے محفوظ رہ گئے تو بت پرستوں نے اس کی یہ وجہ بیان کی کہ خدا ان بتوں کی عبادت سے خوش ہے اور چونکہ وہ ان کی یادگار باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے انہیں نقصان سے بچالیا ہے لیجئے توہم در جہالت کی حد ہو گئی۔ اگر کوئی عمارت مضبوطی اور پائیداری کی وجہ سے زلزلے میں نہیں گری۔ تو اسے بھی عام لوگ کرامت خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ آج بھی سینکڑوں ایسی عمارتیں موجود ہیں جو ہزاروں انقلابات کے بعد بھی محض اپنی استواری اور مضبوطی کی وجہ سے قائم و باقی ہیں۔

دعائیہ آیات کے ذریعہ توجہ الی اللہ

قرآن میں دعا کے متعلق نہایت ہی کثرت سے آیات آئی ہیں۔ تاکہ انسان کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں بہت سی آیات وہ ہیں جن میں ایک خدا سے دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بہت سی آیات میں غیر اللہ سے دعا مانگنے کی بالکل ممانعت کی گئی ہے۔ کہیں دعا کے ساتھ ساتھ شرک کے رد اور توحید کے ثبوت پر دلائل قائم کئے گئے ہیں کہیں شرک کی برائی اور توحید کی خوبی نہایت موثر مثالوں سے سمجھائی گئی ہے کہیں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے ماسوا دوسری طاقتوں سے دعا کرنا نہ مفید ہے اور نہ مقبول اور یہ کہ آدمی خدا کے ماسوا جس کو پکارتا ہے اسی کا بندہ بن جاتا ہے۔ کہیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کی بڑی بڑی شخصیتیں مثلاً" فرشتے اور پیغمبر' صرف خدا ہی کو پکارتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں نیک عملوں کو اپنا وسیلہ بناتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے غیر طاقتوں کو خدا کا شریک بنایا تھا۔ قیامت کے دن یہ غیر طاقتیں ان لوگوں سے بے زاری ظاہر کر

دیں گی۔ غرض کہ قرآن میں ایسی آئتیں نہایت کثرت سے آئی ہیں جن میں اسی ایک حقیقت کو کئی طریقوں سے بار بار ذہن نشین کر دیا گیا ہے اور جن کی تلخیص کی بھی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

قرآن میں ایک خدا سے مانگنے کی آئتیں کیوں اس کثرت سے آئی ہیں؟ اس لئے کہ دعا عبادت کی روح ہے بلکہ اصل عبادت و فطری بندگی دعا ہی ہے۔ باقی جو مقررہ عبادتیں ہیں وہ صرف اس لئے ہیں تاکہ دعا میں خلوص پیدا ہو۔ اور انسان پوری پوری توجہ سے اور سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر ایک خدا کو پکار سکے اور خدا کی پوجا کا طریقہ انسانی (آراء) کے دخل سے محفوظ رہے اور اس میں کسی قسم کی ہوا پرستی اور خواہش نفس بھی راہ نہ پا سکے۔

اسماء الٰہی کے ذریعے توجہ الی اللہ

پھر ایک اور طریقے سے بھی قرآن نے انسانوں کو خدا کی طرف متوجہ کیا ہے یہ طریقہ خدا کے ناموں اور خدا کی حمد و ثناء کے بیان کا طریقہ ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قرآن حکیم کے اوراق ایسی آیات سے بھرے پڑے ہیں جو انسان کے دل میں توحید کے جذبات کی پرورش کرتی ہیں۔ خدا پرستوں کو معرفت الٰہی کے مختلف درجوں پر پہنچاتی ہیں اور دلوں میں خدا کی محبت کا جوش اور عبادت کا ولولہ پیدا کرتی ہیں۔ آپ قرآن میں عجیب بات دیکھیں گے اور وہ یہ ہے کہ قرآن اسلامی شریعت کے مختلف حکموں مثلاً" نکاح و طلاق' وراثت تقسیم مال' جہاد' قرض اور تجارت وغیرہ کے ساتھ ساتھ نہایت ہی عجیب و غریب شان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے اسماء و صفات کا بھی ذکر کرتا جاتا ہے۔ پھر اس نے جہاں دنیا کی پیدائش کا نظام کائنات کا انسانی فطرت کا اور نظام تمدن و معاشرت کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ ہی خدا کے مختلف ناموں کو بھی نہایت خوبی کے ساتھ ملا جلا دیا ہے اس طرح کہ عام مباحث کے ساتھ ساتھ ہر جگہ صفات الٰہی مثلاً" علم و قدرت' ارادہ مشیت' حلم و عفو' مغفرت و رحمت اور محبت و رضا کی شان بھی نمایاں ہوتی چلی گئی ہے۔ قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ مختلف قصے یا شرعی احکام بیان کرتا ہے اور خاص خاص مواقع سے فوائد اٹھا کر دوران بحث ہی میں انسان کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم خدا ہی پر بھروسہ کرو اسی کے قہر و غضب سے ڈرو اسی کی رحمت و عنایت کی امید رکھو اگرچہ قرآن میں بے شمار مباحث و مضامین بھرے ہوئے ہیں۔ مگر تمام قرآن کی مجموعی صورت ایسی بن گئی ہے کہ گویا سارا قرآن خدا کے کمال مطلق اور اس میں فنا ہو جانے کی

طرف جذب کرتا چلا جاتا ہے اور انتہا ہے کہ جہاں بھی قرآن پڑھا جائے گا اس سے ایک ہی نتیجہ ظاہر ہو گا۔ یعنی کہ وہ انسان کی جملہ خواہشات و جذبات کو مٹا کر اور اسے تمام دنیا سے بے نیاز کر کے' صرف ایک خدا کا بندہ اور نیاز مند بنا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ حدید کی ابتدائی آیات پڑھو اور دیکھو کہ یہ آیات کس جوش کے ساتھ انسان کو خدا کی طرف جذب کر رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سبح لله ما فی السموت والارض وھوالعزیز الحکیم ○ له ملک السموت والارض یحیی ویمیت وھوعلی کل شی قدیر ○ ھوالاول والاخروالظاھروالباطن وھوبکل شی علیم○(پارہ 27 سورہ الحدید 57 آیت 1 تا 3)

ترجمہ! آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خدا کی پاکی بیان کر رہی ہے اور وہی غالب اور حکیم ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے وہی مارتا ہے اور وہی زندہ کرتا ہے وہی ہر شے پر قادر ہے وہی اول ہے وہی آخر ہے' وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور ہر چیز کا علم وہی رکھتا ہے۔

پھر سورہ حشر کی آخری آیات کو بھی دیکھو۔

ھواللہ الذی لا الہ الا ھوعلم الغیب والشھادۃ ھوالرحمن الرحیم ھواللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن اللہ عما یشرکون ○ ھواللہ الخالق الباری المصورله الاسماء الحسنی یسبح له ما فی السموت والارض وھوالعزیز الحکیم۔ (سورہ الحشر 59 پارہ 28 آیت 22 تا 24)

ترجمہ۔ وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ تمام پوشیدہ و ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے رحمٰن ہے' رحیم ہے وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک سب عیبوں سے پاک امن دینے والا' پناہ میں لینے والا زبردست اور صاحب عظمت ہے لوگ جن باتوں میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں وہ اس سے پاک ہے وہی اللہ ہے خالق ہے موجد ہے' مصور ہے' تمام عمدہ عمدہ نام اسی کے لئے مخصوص ہیں آسمانوں اور زمینوں میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب اس کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ زبردست حکمت والا ہے" (جاری ہے)

اسلامی معاشرے میں طلباء کا کردار

(علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی)

عزیز طلباء! یہاں حاضر ہو کر اور آپ حضرات کا یہ اجتماع دیکھ کر اس قدر مسرور ہوں کہ میں اپنے ان جذبات مسرت کو ظاہر کرنے کے لئے نہ الفاظ پاتا ہوں نہ اس کے لئے وقت کی گنجائش محسوس کرتا ہوں۔ رسمی گفتگو کا میں عادی نہیں اور اس کے لئے بھی وقت نہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ اجتماع اگرچہ بہت بڑا نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بڑے بڑے اجتماعات کے مقابلے میں آپ کا یہ اجتماع میرے لئے انتہائی مسرت کا باعث ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ قوم کا متاع عزیز آپ حضرات ہی ہیں۔ قوم کی نشوونما قوم کی فلاح، قوم کی صلاح، قوم کی بقاء یہ آپ حضرات کے دامنوں سے وابستہ ہے۔ معاشرے میں طلباء کا کیا کردار ہے اور انہیں کیا کردار ادا کرنا چاہئے۔ یہ ایک بہت وسیع موضوع ہے۔ اس کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حیات انسانی کے دو ستون ہیں۔ ایک علم دوسرا عمل، علم بنیاد ہے اور عمل اس بنیاد کی تعمیر۔ علم ایک درخت ہے اور عمل اس درخت کے پھول، حضور تاجدار مدنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے دین متین کا جو نقشہ پیش فرمایا ہے یقین کیجئے کہ اس میں جمود و خمود نہیں ہے اس کے اندر استنباط کے لئے، سوچنے کے لئے اور صحیح لائنوں پر غور و فکر کے لئے بڑی وسعتیں ہیں۔ مگر افسوس کہ ہماری اپنی تنگ نظری نے ان وسعتوں کو محدود کر دیا۔ ہم یہ سمجھے کہ حقائق کائنات پر غور کرنا اور حقائق کائنات پر غور کرنا اور حقائق کے علم کا حصول بیکار سی بات ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے جس ذرہ کا آپ علم حاصل کریں گے وہ آپ کے حق میں نور ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ علم کا مقصد کیا ہے؟ علم کے معنی ہیں جاننا۔ کسی چیز کا جاننا؟ جو چیز ہے اس کو جاننا لیکن نہ ہونے والی چیز کو ہم جانیں کہ وہ ہے تو یہ علم نہ ہو گا جہل ہو گا۔ مثلاً" اب رات نہیں ہے اور اگر کوئی شخص جانے کہ یہ رات ہے تو یہ جاننا کہاں ہے یہ تو نہ جاننا ہے جو چیز ہے نہیں اس کو ہم جانیں کہ ہے اور جو چیز ہے اس کو جانیں کہ ہے نہیں ہے یقین کیجئے کہ ہست کو نیست جاننا اور نیست کو ہست جاننا یہ دونوں جہل ہیں۔ علم کے معنی یہ ہیں کہ نیست کو نیست اور

ہست کو ہست جانے۔ یہ ہے علم۔ تو

عزیزان گرامی۔ آج دنیا جس چیز کو علم قرار دے رہی ہے وہ اس کے بالکل بر عکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدائے قدوس جل مجدہ' کی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی اور ساری کائنات میں جو کچھ ہے اسی کے صفات کا ظہور ہے' اسی کے اسماء کا ظہور ہے اور اسی کے افعال کا ظہور ہے اور یوں کہئے کہ حقائق کائنات ----- اٹھارہ ہزار عالم ---- یہ سب کچھ اسی ذات واجب الوجود کا ظہور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا ہے اور خدا کے سوا کچھ نہیں۔ جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہے' خدا کی قسم اس کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ مستقل وجود اگر ہے تو صرف خدا کا ہے۔ واجب الوجود کا ہے اور جس قدر کائنات ہمیں نظر آرہی ہے سب اسی کے وجود کے ظلال ہیں' اسی کے وجود کا ظہور ہے۔ اسی کے وجود کی حقیقتوں کی نمائندگی کائنات کا ہر موجود کر رہا ہے۔ میں کائنات کے وجود کی نفی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی عاقل کر سکتا ہے اس لئے کہ ہمارے علم کلام کی بنیاد ہی حقائق کائنات کا ثبوت ہے کیونکہ جب تک ہم حقائق کائنات کو ثابت نہیں مانیں گے تو اس وقت تک ہم مخلوق کو خالق پر دلیل کیسے بنائیں گے۔ ہمارا تو نظریہ یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی جس چیز کو دیکھو اسے دیکھ کر خدا کی ہستی کو پہچانو اور کائنات کے ہر ذرہ کو دلیل قرار دو اور کہو کہ سورج خدا کے ہونے کی دلیل ہے ہم تو تمام حقائق کائنات کو خدا کی ہستی کی دلیل بناتے ہیں اور اگر یہ چیزیں ہیں نہیں تو پھر دلیل کس کو بنائیں گے۔ عدم کو تو دلیل بنا نہیں سکتے اس لئے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ حقائق کائنات موجود ہیں لیکن ان کا وجود مستقل نہیں مستقل وجود اگر ہے تو فقط واجب کا وجود ہے۔ تمام کائنات کے حقائق اسی واجب کا ظہور ہیں لیکن آج اس علم کا مفاد دنیا میں ہمارے سامنے علم کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ صرف مادہ ہے اور خدا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جو ہے اس کو نیست قرار دے دیا' نیست کو ہست بنا لیا اور ہست کو نیست سمجھ لیا۔ کائنات کا وجود کوئی مستقل وجود نہ تھا اور وجود مستقل فقط خالق کائنات کا تھا۔ لیکن آج اس مادہ پرستی کی دنیا میں علم و فضل کے اس دعوے کی دنیا میں اس علم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو تھا اس کو کہہ دیا کہ نہیں ہے اور جو نہیں تھا اس کو کہہ دیا کہ ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علم کا مقتضایہ ہے کہ عدم کو عدم جانے' وجود جانے'ہست کو نیست جانے اور نیست جانے اور یقین کیجئے کہ اس علم کا کرشمہ فقط حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے اس راہ میں لوگوں کو بڑی ٹھوکریں لگتی ہیں یہ وادی پر خطر ایسی نہیں کہ جہاں سے انسان آسانی سے گزر جائے۔ بڑے دشوار گزار مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور نبی کریم ﷺ نے جو شاہراہ ہمارے لئے متعین کی ہے اس کے متعلق زبان رسالت نے فرمایا۔

ترکتم علی ملت بیضا لیلھا ونھارھا سواء

میں نے تمہارے لئے وہ شاہراہ بنائی ہے کہ تم آنکھیں میچ کر گذر جاؤ اس کے دن رات برابر ہیں مگر شرط یہ ہے کہ راہ سے ہٹنے نہ پاؤ۔ اگر راہ سے ہٹ گئے تو ادھر بھی ہلاکت کے گڑھے ہیں اور ادھر بھی ہلاکت و تباہی کے گڑھے ہیں۔ اگر تم نے راہ کو اختیار کئے رکھا۔ راہ پر رہے تو آنکھیں بند کر کے چلتے رہو۔ لیکن اگر راہ کو چھوڑ دیا تو پھر خواہ تمہاری دس آنکھیں بھی ہو جائیں کچھ کام نہیں ہو گا کیونکہ وہاں تو ہلاکت کے گڑھوں کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ اگر راہ پر استقامت اختیار کرو تو آنکھیں بند کر کے چلتے رہو' یہ راہ وہ ہے جس کے اندر کوئی کانٹا نہیں کوئی خطرہ اور خدشہ نہیں ہے مطلب یہ کہ جس صراط مستقیم پر خدا کے پیارے رسول نے ہم کو لگایا ہے وہ ہمارے لئے شاہراہ علم و عمل ہے۔ ہماری زندگی کا پہلا ستون علم ہے جو کہ بنیاد ہے عمل اسی بنیاد پر تعمیر ہے۔

طلباء کی شخصیت کیا ہوتی ہے؟ طلباء کا مقام کیا ہے؟ میں گوشت پوست کو طلباء کی شخصیت قرار نہیں دیتا۔ میرے نزدیک طلباء کا وجود اس ذہن کا نام ہے جو علم کے طلب کرنے والا ذہن ہے۔ علم ایک نور ہے اور نور جہاں آتا ہے ظلمت دور ہو جاتی ہے اور جہاں ظلمت دور نہ ہو سمجھ لو کہ وہاں نور آیا ہی نہیں۔ طلباء کا معیار طلباء کے وجود کی علامت اور طلباء کے راہ راست پر ہونے کی جو نشانی ہے جو وہ ہے کہ جن طلباء کا ذہن صاف و روشن ہے۔ سمجھ لیجئے کہ وہ طلباء میں علم کے طالب ہیں۔ علم کی راہوں پر چل رہے ہیں اور انہیں علم حاصل ہو رہا ہے۔ جو طالب علم اپنے ذہنکے اندر کوئی روشنی نہیں پاتا وہ سمجھ لے کہ میں علم سے محروم ہوں۔

علم ایسا نور ہے جو ذہن کو روشن کرتا ہے جو دل کو روشن کرتا ہے جو دماغ کو روشن کرتا ہے جو طلباء اس نور سے محروم ہیں ان کو ان امور کی طرف نظر کرنی چاہیئے۔ جو اس کی راہ میں مانع ہیں اور علم کا نور ان کے ذہن میں آنے سے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرے اور ان

راہوں کو صاف کرے جن راہوں سے ذہن اور دل کے اندر نور آتا ہے مطلب یہ کہ طلباء وہ ہیں جن کا ذہن علم کے نور سے منور اور روشن ہو گا تو پھر ان کا عمل اور کردار بھی روشن ہو گا کیونکہ عمل کی عمارت تو ہمیشہ علم کی بنیادوں پر قائم ہوا کرتی ہے تاریک کردار اس کا ہو گا جس کا دماغ تاریک ہو گا۔ طلباء کا معاشرے میں مقام یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن کو روشن کر کے قوم کے ذہن کو روشن کریں۔ طلباء کی جس جماعت کا ذہن روشن نہیں سمجھئے وہ اپنے موقف پر نہیں ان کا وہ مقام نہیں ہے' تو طلباء کا پہلا مقام یہ ہے کہ وہ علم کے نور سے اپنے ذہن کو روشن کریں اور پھر وہی روشنی قوم تک پہنچا کر قوم کی ذہنی تاریکی کو روشنی میں بدل دیں۔ یہ ہے طلباء کا معیاری اور بنیادی کردار۔ اس کردار کو ادا کئے بغیر طالب علم کا نہ کوئی ابتدائی مقصد قرار پاتا ہے نہ انتہائی اور یہ روشنی جو تمہارے دماغوں کو صاف کرے گی وہ مادی علوم سے حاصل نہیں ہو سکتی اس کا حاصل کرنا اسلامی علوم کے بغیر ناممکن ہے اس لئے کہ مادے میں تاریکی ہے۔ مادہ خود تاریک ہے۔ تاریکی سے تاریکی کے سوا کیا مل سکتا ہے اگر آپ کو یہ نور حاصل کرنا ہے تو آپ اسلامی تعلیم کی طرف بھی توجہ دیں۔

میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اسلامی علوم کیا ہیں؟ آپ شاید یہ کہیں کہ یہ ہمیں سائنس سے ہٹاتے ہیں۔ دنیا کے علوم سے ہٹاتے ہیں لیکن خدا کی قسم کائنات کا کوئی علم ایسا نہیں جو غیر اسلامی ہو۔ اسلامی علم سے مرا کیا ہے اسلامی علم سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کا علم تم حاصل کرو یہ سمجھو کہ وہ چیز خدا نے بنائی ہے اس کے یہ صفت' یہ خصوصیت' یہ کیفیت اسی نے پیدا کی ہے' اس چیز کے اثرات کو دیکھتے جاؤ' اس کی خصوصیات کا تجزیہ کرتے جاؤ جن چیزوں کے اندر حرارت ہے اس چیز کی حرارت کو دیکھ کر حرارت کے پیدا کرنے والے کو پہچانو۔ کسی چیز کے اندر تم نے دیکھا کہ برودت ہے تو پر اس سے برودت پیدا کرنے والے کو پہچانو کیونکہ کسی پیدا کرنے والے کے بغیر کوئی چیز نہیں ہوا کرتی۔ اگر تمہارا دماغ رطوبت و برودت کے اندر پھنس کر رہ گیا تو سمجھو کہ تاریکی میں مبتلا ہو گئے۔ اگر یہ سمجھا کہ وہ ٹھنڈک ہے' یہ گرمی ہے' یہ خشکی ہے اس چیز میں فلاں صفت ہے' یہ تاثیر ہے' یہ اثر ہے' یہ خصوصیت ہے۔ ان تمام اثرات و خصوصیات کو معلوم کرتے چلے جاؤ اور حقائق کائنات سے واقف ہوتے چلے جاؤ اور جب کبھی حقیقت کا انکشاف ہو سمجھ لو کہ حقیقت بنانے والے کے بغیر اس حقیقت کا وجود نہیں ہو سکتا۔

یہاں مجھے ایک بات سمجھانا ضروری ہے کہ وہ طلباء جن کے ذہن مادی علوم میں گھرے ہوئے

ہیں اور اسلامی علوم کی ہوا نہیں لگی ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی ہے کہ یہ خدا کا تصور اور خدا کی ذات کا عقیدہ محض ایک توہم ہے۔ لوگوں نے یوں ہی لوگوں کو ڈرانے کے لئے خدا کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دیا ہے۔ جیسے بچوں کو کہتے ہیں کہ ہوا آ گیا۔ ارے بھئی۔ اگر خدا نہیں تو یہ نظام کائنات آخر کیا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ مادے کے اندر یہ صفات خود بخود موجود ہیں۔ ایک مادہ ایک وقت میں ایک حال میں ہے۔ پھر وقت گزرا دوسرے حال پر آیا۔ پھر وقت گزرا تیسرے حال پر آیا۔ اس طرح مادے کے اندر تمام ترقیات کے اثرات ہیں اور مادہ اپنے اپنے وقت میں ترقی کے منازل طے کرتا جاتا ہے۔ تو یہ تو تمام مادی خواص ہیں۔ مادی اثرات ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گندم کا دانہ ہوتا ہے اس کو ہم زمین میں ڈال دیتے ہیں وہ ایک نرم و نازک شاخ کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ہم کئی گندم کی بالیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ تو یہ تو مادے کی خصوصیات اور اثرات ہیں جو اپنے اپنے موقعوں پر جیسا ماحول ان کی کیفیات کے ظہور کے لئے مہیا ہوتا جاتا ہے اس کے مطابق وہ مادے کے اثرات قائم ہوتے جاتے ہیں۔ یہ تو مادے کے اپنے ذاتی اثرات ہیں ان کی خصوصیات ہیں جو خود بخود ظاہر ہوتی جاتی ہیں اس کے لئے یہ نہیں کہ کسی بنانے والے نے بنائے ہوں یا پیدا کرنے والے نے پیدا کئے ہوں۔ اس کے متعلق میں ایک ذرا سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور اپنے عزیز طلباء سے کہوں گا کہ خاص طور پر اپنے ذہن کو متوجہ کریں۔ دیکھئے یہ ایک ایسی بات ہے جس کا جواب مشاہدات کی دنیا میں نہیں دیا جا سکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشاہدات کی دنیا میں یہ سوال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں نے ارخاء عنان کے طور پر یہ بات تسلیم کر لی اور اس کے بعد پھر میں جواب کی طرف آتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ تمام نظام کائنات کے بارے میں خدا کے منکروں کا مادہ پرستوں کا' مادی علوم کے ماہرین کا بنیادی نظریہ یہی ہے کہ مادے کے اندر یہ اثرات و خواص ہیں اور وقت آنے پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اب ہم نے ان سے پوچھا کہ بھئی یہ بتاؤ کہ مادے کے اندر ان اثرات و خواص کا مختلف مقامات پر مختلف صورتوں میں پایا جانا جو کہ فعل و ظہور ہے تو اس کا تعلق کسی امر خارج کے ساتھ ہے یا یہ بھی مادے کی طرف ہے؟ انہوں نے کہا کہ بھئی بات یہ ہے کہ یہ اثرات تو مادے ہی کے ہیں لیکن ان کا ظہور کسی سے متعلق نہیں بلکہ وہ ایک امر اتفاقی ہے جیسا قضیہ اتفاقیہ ہوتا ہے۔ یعنی اتفاق سے ایک مادہ سورج بن گیا' اتفاق سے ایک مادہ چاند بن گیا' اتفاق سے مادے کے کچھ اجزاء جو

تھے انہوں نے درخت کی شکل اختیار کرلی۔ تو یہ تو بالکل قضیہ اتفاقیہ ہے کہ کچھ اجزاء جو مادے کے تھی وہ اونٹ بن گئے اور کچھ گھوڑے بن گئے اور کچھ گدھے بن گئے' کچھ بکریاں بن گئیں اور کچھ انسان بن گئے۔ یہ تو محض ایک اتفاقی بات ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا تعلق کسی خارجی حقیقت کے ساتھ ہو۔ رہا یہ کہ ان کا اس نوعیت کے ساتھ ظاہر ہونا۔ تو اس ظاہر ہونے میں کسی ظاہر کرنے والے کا کوئی دخل نہیں ہے' بلکہ یہ قضیہ اتفاقیہ ہے۔ جیسے اتفاق ہو گیا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اور میں آیا' میں نے آپ کو دیکھ لیا۔ آپ نے مجھ کو دیکھ لیا۔ میں نے کچھ کہا آپ نے میری باتیں سن لیں' گویا قضیہ اتفاقیہ ہے' یہ ہے ان مادہ پرستوں کا نظریہ' اب میں اس نظریہ کو توڑتا ہوں۔ ایک دلیل سے اور اپنے عزیز طلباء کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

دیکھئے صاحب جو چیز اتفاقی ہو اس کا کیا حال ہوتا ہے اور اس نظام عالم کا کیا حال ہے؟ ذرا دونوں کے حال پر ایک نظر ڈالئے تو آپ دیکھیں گے کہ 18000 ہزار کائنات کا جو نظام ہے وہ اتنا منظم' اتنا مربوط اور اتنا مستحکم ہے کہ ایک کی کڑی دوسرے سے جدا نہیں کی جاسکتی۔ چاند' سورج' ہوا' آگ اور پانی یہ عناصر و جواہر ہیں اسی طرح دیگر جتنے بھی اجزاء عالم ہیں ان کا باہمی کتنا ربط ہے' کیسا عظیم ربط ہے ہم جانتے ہیں کہ اگر ہوا نہ ہو تو ہم سانس نہیں لے سکتے' اگر حرارت نہ ہو تو ہمارے اندر حیات کا کوئی اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ پانی نہ ہو تو ہماری حیات باقی نہیں رہ سکتی۔ زمین نہ ہو تو ٹھہریں گے کہاں اور چاند سورج نہ ہوں تو ان کی طرف سے جو اثرات و خواص نباتات و جمادات پر مرتب ہوتے ہیں وہ مرتب کہاں ہوں گے۔ درختوں پھلوں اور غلوں کی مختلف لذتیں اور گوناگوں مزے اور پھر ہر چیز کا مختلف رنگ اور مختلف حالت۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب چاند اور سورج کی گردشوں کے اثرات ہیں جن سے یہ چیزیں رونما ہوتی ہیں۔ کھیتیاں پکتی ہیں۔ پھل پکتے ہیں۔ کہیں حیوانات ہیں' کہیں درخت ہیں' کہیں پانی ہے' کہیں آگ ہے' کہیں ہوا ہے' کوئی نظام ارضی ہے' کوئی نظام سماوی ہے۔

اسی طرح اگر ہم اپنے وجود پر بھی نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ سر سے لے کر پاؤں تک اتنا ربط ہے کہ اللہ اکبر۔ ہمارے بالوں کا رابطہ ہمارے کھال کے ساتھ ہے۔ کھال کا رابطہ ہمارے گوشت کے ساتھ ہے اور گوشت کا ربط ہماری استخواں کے ساتھ ہے اور پھر ایک ایک رگ کا تعلق نیچے سے لے کر اوپر تک کہاں کہاں جاتا ہے۔ اگر ہماری انگلیوں کے جوڑ نہ ہوں تو ہم کھول بند نہیں کر

سکتے۔ یونہی اگر ایک سیدھی سی ہڈی رکھ دی جاتی تو پھر یہ انگلیاں سیدھی ہی کھڑی رہتیں۔ اگر ہماری پشت کے اندر مہرے نہ رکھے جاتے تو اٹھنا بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ جسم ایک تختے کی طرح رہ جاتا جسے چاہو تو کھڑا کر دو چاہو تو لٹا دو۔ ہمارے گھٹنے کے جوڑ اس نوعیت کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں کہ ہم ان کو سکیڑنا چاہیں تو سکیڑ سکتے ہیں' موڑنا چاہیں تو موڑ سکتے ہیں' سیدھا کرنا چاہیں تو سیدھا کر سکتے ہیں۔ ہماری آنکھیں' ہمارے کان' ہماری زبان' ہمارے دانت سب اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر لگے ہوئے ہیں۔ اب بتایئے کہ یہ دانت جو اللہ تعالیٰ نے منہ میں پیدا کئے ہیں اگر سر کے اوپر پیدا کر دیتا۔ یہ بھی تو قضیہ اتفاقیہ ہے نا۔ اتفاق سے کسی کے دانت سر پر ہی ہو جاتے تو کونسی بات تھی۔ لیکن دیکھئے کہ ہمارے دانت اس مقام پر ہیں جہاں ہونا چاہیں تھے۔ کسی کی زبان آپ کان کی جگہ نہیں دیکھیں گے۔ کسی کے کان آپ آنکھ کی جگہ نہیں دیکھیں گے۔ کسی کی آنکھ آپ پاؤں کی جگہ نہیں دیکھیں گے یہ بات کیا ہے؟ ہمارے وجود کا جو نظام ہے اتنا منظم ہے' اتنا مربوط ہے اور اتنا مستحکم ہے کہ ایک کا تعلق دوسرے سے ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔

لیکن میرے دوستو۔ اگر اس تمام نظام کو ہم قضیہ اتفاقیہ قرار دیدیں تو خوب سمجھ لیجئے کہ جو عمل اتفاقاً" ہو جائے اس کے اندر نظم و ضبط نہیں ہوا کرتا۔ یہ ارتباط اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ارتباط پیدا کرنے والے نے ارتباط پیدا کیا ہے' کسی نظام قائم کرنے والے نے نظم قائم کیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آپ بازار میں چلتے ہیں تو آپ کسی اندازے سے چلتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کی رفتار غلط نہ ہو' آپ کا قدم زیادہ آگے نہ بڑھ جائے' آپ چھوٹا قدم نہ اٹھائیں' اتنی تیزی سے نہ بھاگیں کہ لوگ دیکھ کر آپ پر ہنسنے لگیں اور نہ اتنے آہستہ چلیں کہ لوگ سمجھیں کہ شاید یہ زمین سے چپکے ہوئے ہیں تو آپ اتنا آہستہ نہیں چلتے' اتنا تیز نہیں چلتے' قدم آپ کا نہایت ہموار ہوتا ہے اور آپ کے جسم کی حرکات بالکل معتدل ہوتی ہیں اور آپ کے جسم کے تمام اعضاء بالکل اعتدال کے ساتھ متحرک ہوتے ہیں۔ لیکن اندھیرے میں کہیں کیچڑ آ گئی اور آپ کو پتہ نہ چلا یا اتفاق سے کہیں کیلے کے چھلکے پر پاؤں پڑ گیا اور دھڑام سے آپ گرے تو ایمان سے کہنا کہ آپ کا گرنا اتفاقی ہے یا نہیں۔ اب اس گرنے کو قضیہ اتفاقیہ کہئے اور اس نظم و ضبط کے ساتھ چلنے کو آپ مربوط نظام کے تحت لایئے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ گریں گے تو گرنا تو اتفاقی ہے نا۔ لیکن گرنے میں وہ نظم و ضبط باقی رہے گا۔ بتایئے۔ اگر اس منظم کائنات کو اتفاقیہ مان لیا جائے تو پھر

گرنے میں نظم و ضبط ہونا چاہئے۔ کیونکہ کائنات کا نظم و ضبط تو ہمارے سامنے ہے۔ اس لحاظ سے گرتے وقت آپ خوب سنبھل کر گریں کہ پاؤں جہاں ہونے چاہئیں وہیں ہوں' ہاتھ بالکل غیر محل پر نہ ہوں اور سر کہیں ایسی نامناسب جگہ پر نہ ہو جہاں سر کی توہین ہو جائے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ سر جہاں پڑگیا پڑگیا ہاتھ جہاں گر گئے' گر گئے اور پاؤں جہاں پڑ گئے پڑ گئے' کوئی اس کے اندر نظم و ضبط نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ جو قضیہ اتفاقیہ ہوتا ہے اس میں نظم و ضبط نہیں ہوا کرتا۔

چونکہ ساری کائنات میں نظم و ضبط ہے اس لئے پتہ چلا کہ جہاں نظم و ضبط نہ ہو وہ اتفاقی بات ہوتی ہے اور جہاں نظم و ضبط ہو وہ کسی پیدا کرنے والے کی پیدائش پر ہوا کرتی ہے اور کسی ضبط قائم کرنے والے کے انضباط پر ہوا کرتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے کو دیکھو اور نظام قائم کرنے والے کی دلیل قائم کرکے اس کی ہستی کو پہچانو۔ کائنات کا ہر نظام دعویٰ ہے اور نظم اس کی دلیل ہے ہم مانتے ہیں کہ مادے کے اندر خواص ہوتے ہیں' پانی جو ہے وہ بارد راطب ہے آگ جو ہے وہ حاریابس ہے۔ حار کے معنی ہیں گرم اور یابس کے معنی ہیں خشک' بارد کے معنی ہیں ٹھنڈا اور راطب کے معنی ہیں۔ تر' آگ اور پانی دونوں متضاد ہیں۔ ایک خشک ہے دوسرا تر۔ ایک گرم ہے' دوسرا سرد ہے لیکن یہ دونوں طرح کے اثرات مادہ اپنے گھر سے نہیں لایا۔ آگ کو حرارت دینے والا وہ خدا ہے جس نے اپنے ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمادیا۔

یانار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم

کیونکہ حرارت میں نے دی ہے اس لئے میں چاہوں گا حرارت رکھوں گا جب چاہونگا سلب کر لوں گا۔ پانی کے اندر جو خواص رکھے ہیں میں نے رکھے ہیں۔ پانی کا کام ہے سیال ہونا۔ لیکن میں جب چاہوں گا کہدوں گا کہ اے نیل۔ ٹھہر جا میرے کلیم گذرنے والے ہیں۔ پانی کا سیلاب' پانی کی سیالی' پانی کا بہنا' یہ میری دی ہوئی صفت ہے یہ نہیں کہ وہ مادے کا اپنا کوئی ذاتی خاصہ ہے بلکہ میری پیدا کی ہوئی ہے تو جو چیز میری پیدا کی ہوئی ہے وہ پیدا کرنے سے پہلے بھی میری قدرت میں تھی اور پیدا کرنے کے بعد بھی میری قدرت میں ہے میں چاہوں تو اس کو باقی رکھوں اور چاہوں تو فنا کر ڈالوں۔

یہ ہے وہ بنیادی نکتہ جس پر سارے علم کا دارومدار ہے اس لئے میں کہونگا کہ سائنس کا علم غیر اسلامی نہیں ہے آپ دنیا کے کسی علم کو لے لیں وہ ریاضیات سے متعلق ہو یا ارضیات سے' فلکیات

سے متعلق ہو یا وہ علم حقائق کائنات سے متعلق ہو، وہ علم اثرات و خواص اشیاء سے متعلق ہو یا کائنات کا کوئی بھی علم ہو، میں کہتا ہوں کہ ہر علم اسلامی جب ہو گا کہ جب ہر چیز کو جان کر اور ہر علم کو حاصل کر کے خدا کا علم حاصل کیا جائے۔ آپ سائنس پڑھیں یا ریاضی، آپ جغرافیہ پڑھیں یا تاریخ، ان تمام علوم کا جو مرکز و محور ہو وہ خدا کی معرفت ہو اور خدا کی ذات پر یقین ہو۔ یہ ایک بنیادی بات ہے اگر آپ نے اسلامی تعلیمات کے محور کو چھوڑ دیا تو آپ کے ذہن کو آوارہ کر دیا جائے گا۔

اسلامی تعلیمات کا مقصد صرف یہی نہیں کہ آپ قرآن کے ترجمہ کے سوا کچھ نہ پڑھیں۔ آپ قرآن کا ترجمہ بھی پڑھیں اور جن چیزوں کا ذکر آپ نے قرآن میں پڑھا ان حقیقتوں کو جاننے کے لئے آپ جدید علوم کی طرف بھی توجہ کریں۔ قرآن نے کہا والسماء والطارق تو تم آسمان کی حقیقتوں کو جاننے کے لئے جیسی بھی جدوجہد کرو گے وہ بھی اسلامی اور قرآنی علم قرار پائے گا۔ آسمان سے رات کو آنے والے جو لطیف اثرات ہیں، جو زمین کے کرہ میں پیوست ہوتے ہیں اور پھر اس سے معدنیات کا ظہور ہوتا ہے۔ کہیں نباتات کا ظہور ہوتا ہے۔ کہیں سنکھیا پیدا ہو رہی ہے۔ کہیں تریاق پیدا ہو رہا ہے۔ کہیں لوہا پیدا ہو رہا ہے اور کہیں کوئلہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسی زمین میں لوہے کی کانیں ہیں۔ کہیں سونے کی کانیں ہیں۔ کہیں چاندی کی کانیں ہیں۔ کہیں پٹرول نکل رہا ہے، یہ جتنی چیزیں ہیں یہ سب والسماء والطارق کے اندر مذکور ہیں تو جب آپ قرآن کے لفظ و معنی دونوں کو پڑھیں تو پھر جو کچھ آپ نے قرآن میں پڑھا اس کی ماہیت کو پہچاننے کے لئے آپ علوم جدیدہ کو اختیار کریں۔ آپ کا ہر علم اسلامی قرار پائے گا۔ جب تک آپ کا مرکز قرآن ہو گا۔

عزیز طلباء۔ آپ کا ایک بہت بڑا مقام ہے آپ کو چاہئے کہ خود اپنے ذہن کو علم کے نور سے روشن کریں اور اس روشنی سے قوم کے ذہن کو روشن کریں قوم کا بہترین سرمایہ تم ہو۔ آج اگر ہمارے عزیز طلباء کے اندر کچھ کوتاہیاں ہیں۔ تو یہ صرف میرے عزیز طلباء کا قصور نہیں ہے نہ والدین کا قصور ہے۔ یہ اس گہوارے کا قصور ہے جس گہوارے کے اندر ہمارے طلباء کو تربیت دی گئی ہے کیونکہ گہوارے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہماری قوم کی ماؤں اور بہنوں کی گود میں امام ابو حنیفہؒ جیسے لعل کھیلا کرتے تھے ایک وہ دور تھا کہ ہماری قوم کی ماؤں بہنوں کی گود میں امام غزالیؒ جیسے بچے پیدا ہوتے تھے۔ غزالیؒ، رازیؒ، بو علی سیناؒ، بڑے بڑے فلسفی اور حکماء بڑے بڑے

علماء صوفیاء زہاد، عباد اور محدثین و مفسرین یہ سب ہماری قوم کی ماؤں کی گودوں میں تربیت پانے والے ہوئے۔ تصوف کی طرف آیئے۔ حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کیسی مقدس ہستی ہیں۔ اسی قوم کی ماؤں اور بیٹیوں نے ایسے بچوں کو جنم دیا اور اپنی مبارک آغوش میں پالا اور اپنی تربیت سے ان کے ذہنوں کو روشن کیا۔

عزیزان گرامی۔ یاد رکھئے کہ ہماری تربیت کا جو گہوارہ ہے وہ بھی بڑا غلط ہے گہوارے کے اثرات کے متعلق مجھے ایک تاریخی واقعہ یاد آیا۔ حضرت عمر فاروق کی خلافت کا زمانہ ہے۔ عیسائی سلطنت روم کو فتح کرنے کے بعد مجاہدین نے روم کی گوری چٹی عیسائی عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیا۔ امیر لشکر کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں تم اجازت نہیں دونگا۔ حالانکہ قرآن کی رو سے جائز ہے۔ لیکن بہت سی جائز چیزیں بعض اوقات مضر ہو جاتی ہیں مثلاً" انار کھانا کوئی حرام نہیں، جائز ہے لیکن ایک شخص ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ انار کھائے تو اس کو بہت نقصان پہنچے گا اس لئے ڈاکٹر منع کرے گا کہ انار مت کھانا۔ حالانکہ وہ جائز ہے۔ اسی طرح بے شک عیسائی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں بعض ماحول ایسے ہوتے ہیں کہ جائز چیز اس میں مضر ہو جاتی ہے، تو امیر لشکر نے کہا کہ میں تم کو اجازت نہیں دونگا۔ جب تک امیر المومنین حضرت عمر نے جواب دیا۔ کیا پیارے الفاظ ہیں، فاروق اعظم آپ پر خدا کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ خدا کی قسم عمر خدا کے حلال کو حرام نہیں کر سکتا اور خدا کے حرام کو حلال نہیں کر سکتا جو اللہ نے حلال کیا اللہ کے رسول ﷺ نے حلال کیا حلال ہے لیکن اے میرے عرب کے مجاہدو اور بہادرو۔ میں تمیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم روم کی گوری چٹی عیسائی عورتوں سے نکاح نہ کرو اس لئے کہ اگر تم نے ان سے نکاح کیا تو ہو گا یہ کہ بچے تمہارے ہوں گے اور ان کی گودوں میں پلیں گے۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے بچے جب روم کی عورتوں کی آغوش میں تربیت پائیں گے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں عرب کی تہذیب روم میں گم نہ ہو جائے۔

اس واقعہ سے یہ بتایا مقصود تھا کہ تربیت کے ماحول کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہمارے عزیز طلباء کے اندر بڑی اچھی صلاحیتیں ہیں اور اگر یہ صلاحیتیں نہ ہوتیں تو وہ علم کے میدان میں کیسے آتے، ان کا طلب علم کے میدان میں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اندر بڑی بڑی عظیم

صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب اس کے باوجود بھی اگر کچھ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں تو ان سب کو طلبہ کے سر نہ تھوپا جائے بلکہ ان کو یہ بتایا جائے کہ جس آغوش میں یہ پل کر آئے ہیں ان آغوشوں میں کچھ خامیاں ہیں۔ ہماری قوم کے وہ ماں باپ جن کی گود میں پل کر یہ بچے طالب علمی کی صف میں آئیں ان کا کردار ایسا پیارا ہو' ان کی آغوش اتنی پاک ہو کہ اس آغوش میں پلے ہوئے بچے آگے چل کر قوم کی کایا پلٹ دیں۔

عزیز طلباء۔ اگر تمہارا ذہن گمراہ ہو گیا تو یقین کرو کہ ساری قوم گمراہ ہو جائیگی۔ اگر تمہارا دماغ روشن نہ ہوا تو قوم کا دماغ روشن نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہارا کردار غلط ہوا تو قوم کا کردار صحیح نہیں ہو سکتا۔ قوم کے کردار کو تم نے بچانا ہے۔ قوم کے دماغ کو تم نے روشن کرنا ہے' ملک کا مستقبل تمہارے دامن سے بندھا ہوا ہے۔ تمہاری قوم کی فلاح' تمہای قوم کی نجات' تمہاری قوم کی ذہنی نشوونما اور تمہاری قوم کے تمام ذہنی ارتقا کا دارومدار تمہارے اپنے ذہنی ارتقاء پر ہے۔ قوم کے کردار کا مدار تمہارے اپنے کردار پر ہے۔ اس لئے تمہارا ذہن روشن ہونا چاہئے اور تمہارا کردار بلند ہونا چاہئے۔ تم اپنی روشن دماغی اور خوش کرداری کے ساتھ اپنی قوم کی وہ بہترین خدمت انجام دے سکتے ہو کہ جو خدمت معاشرے میں کوئی دوسرا گروہ انجام نہیں دے سکتا' تم اپنے ملک کی فلاح کے لئے اپنی ملت کی فلاح کے لئے' اپنی قوم کی فلاح کے لئے وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو تمہارے سوا کوئی اور گروہ نہیں کر سکتا۔ یہ مختصر سا میرا خطاب تھا۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا میرے عزیز طلباء کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ذہن کو روشن کریں اور اپنے کردار کو بہتر بنائیں۔

ضروری اطلاع

مرکز تعمیر ملت پر ہفتہ وار محفل ذکر ہر سوموار کو بعد از نماز مغرب ہوتی ہے۔

جو بھائی قبلہ حضور سے ملاقات کے لئے مرکز تعمیر ملت پر آنا چاہیں وہ منگل اور بدھ کو آنے والے احباب فون کر کے کنفرم کر لیں کہ قبلہ حضور مرکز پر تشریف فرما ہیں کہ نہیں۔ منگل اور بدھ کے علاوہ قبلہ حضور ہر وقت وہاں موجود ہوتے ہیں۔

موجودہ تہذیب کی ناکامی ذرائع و مقاصد کا عدم توازن

(سید ابوالحسن علی ندویؒ)

ذرائع کی آسانی اور فراوانی

دوستو! اور بھائیو! یہ زمانہ بعض حیثیتوں سے بہت ممتاز ہے کام کرنے کے ذرائع، جہاں تک اس زمانہ میں مہیا ہوگئے ہیں، اتنے کبھی مہیا نہیں ہوئے تھے تاریخ کا ایک طالب علم ہوں، میں جانتا ہوں کہ اتنے ذرائع کبھی انسان کے پاس اس سے پہلے جمع نہیں ہوئے تھے، ذرائع کی بہتات اس دور کی خصوصیت ہے، ذرائع آج زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر ہیں، ہم لوگ لکھنؤ سے چند گھنٹوں میں سفر طے کر کے پہنچ گئے، اس سے بھی تیز رفتار گاڑی سے یہ سفر کیا جا سکتا ہے، لوگ ہوائی جہازوں سے بھی یہاں آسکتے ہیں۔ آج سے صرف 80-70 برس پہلے لکھنؤ سے کوئی بنارس آنا چاہتا تو آپ سوچئے کہ وہ کیا ذرائع اختیار کرتا اور کتنی مدت میں پہنچتا؟

یہ تو سفر کرنے کا معاملہ ہے، ایک زمانہ تھا کہ آدمی اپنے دور افتادہ احباب اور عزیزوں کی خیریت معلوم کرنے کو ترستے تھے، مگر آج دور دراز ممالک کے لوگوں کی آواز ہم گھر بیٹھے سن سکتے ہیں اور اس طرح کہ گویا وہ ہم سے بات کر رہے ہیں، آج چند دن میں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خط پہنچ جاتا ہے اور تار اس سے بھی پہلے پہنچتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا کہ عام حالات میں جو کوئی پردیس جاتا تو واپسی مشکوک تھی اور کہا سنا معاف کرا کے جانا پڑتا تھا اگر کوئی برسوں میں آتا اور خیریت بتلاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا، ورنہ کوئی خیر خبر نہیں ملتی تھی، لیکن آج اگر کوئی طول طویل سفر اختیار کرتا ہے تو وہ ہر جگہ سے اپنی خیریت بتلا سکتا ہے اور بہت آسانی سے بہت تھوڑے عرصہ میں واپس آجاتا ہے، آج حالت یہ ہے کہ آپ لندن کے آدمی کی آواز یہاں بیٹھے بیٹھے سن سکتے ہیں، نیویارک میں کوئی آدمی بیان دیتا ہے یا تقریر کرتا ہے تو یہاں آپ اس کی زبان سے سنتے ہیں۔ آج سے 50 برس پہلے کوئی ایسی بات کہتا تو اس کا سمجھنا بھی مشکل ہوتا، لیکن آج اگر ان ایجادات کے بارے میں کوئی شبہ کرے تو بچے بھی اس پر ہنسیں۔ ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، وائرلیس، ریڈیو اور مختلف قسم کی خوردبینوں کو آپ ملاحظہ کیجئے کہ جدید علمی تحقیقات اور سائنس نے ہم کو

ہے کیسے ذرائع بخشے ہیں' ہمارے دل میں بار بار یہ حسرت اور تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ' اگر کبھی اس میں نیک بننے کی خواہش' خدا پرست بننے کی خواہش' رحم دلی' انسانی ہمدردی اور ایک رے سے محبت بھی ہوتی اور ان ذرائع سے صحیح کام لیا جاتا تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جاتی' رہ رہ ہمارے دل میں ایک ہوک اور درد اٹھتا ہے کہ کام کرنے کے ذرائع کی تو اس قدر بہتات' مگر ان ذرائع سے کام لینے والوں کا ایسا کال' آپ کو اب ذرائع تلاش کرنے کی ضرورت نہیں' ذرائع خود آپ کو تلاش کرتے ہیں' آج سواریاں خود مسافر کو تلاش کرتی ہیں اور مقابلہ کرتی ہیں' آج ریلوے کی طرف سے ٹائم ٹیبل شائع ہوتے ہیں' سفر کی ترغیب دینے کے لئے صحت افزا مقامات اور تاریخی شہروں کی تصویریں اور مناظر شائع کئے جاتے ہیں' تاکہ سفر کا شوق ہو' ہوائی جہاز کی کمپنیاں اشتہار دیتی ہیں' اسٹیشن پر گاڑی سے اترتے ہی ہوٹل والوں سے سابقہ پڑتا ہے' بعض دفعہ تو وہ جھاڑ کی طرح ساتھ لگ جاتے ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے' ایک زمانہ تھا کہ مسافر سرائے ڈھونڈتا پھرتا تھا اور بھٹیارے یا بھٹیارن کی تلاش کرنی پڑتی تھی' آج معاملہ برعکس ہے۔

مقاصد اور نیک خواہشات کا فقدان

لیکن جس تیزی سے ذرائع نے ترقی نہیں کی ہے' ہمارے اخلاق اور آدمیت نے ترقی کی' ایک انسان کو یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ پہلے آدمی بھلائی کرنا چاہتا تھا' اس کے پاس ذرائع نہ تھے' مگر اب ذرائع ہیں تو بھلائی کی خواہش دلوں سے جاتی رہی' میں اس کی ایک واضح مثال دوں' پہلے ایک غریب گھرانے کا آدمی پردیس کمانے جاتا تھا' وہ جو کچھ کماتا تھا' اس کا گھر بھیجنا مشکل تھا' یا تو وہ خود جائے یا قسمت سے کوئی معتبر جانے والا مل جائے وہ تڑپ کے رہ جاتا تھا' اس کو اپنے گھر والوں کی تکلیف' بچوں کی بھوک اور ان کا رونا یاد آتا تھا اور کچھ نہیں کرسکتا تھا' نہ ڈاک خانہ تھا' نہ نقل و حمل کی آسانیاں مگر اب شہر شہر اور قصبہ قصبہ ڈاک خانے کھلے ہیں' روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ بھیجا جاسکتا ہے اور تار کے ذریعے بھی' لیکن کمانے والے کے دل میں روپیہ بھیجنے کی خواہش' گھر والوں کی تکلیف اور گاؤں والوں کی غربت کا احساس ہی نہیں' سینما' تفریح گاہوں' کھیل تماشوں اور ہوٹل اور ریستوران سے کچھ بچتا ہی نہیں کہ وہ گھر بھیجے' ڈاک خانہ کچھ نہیں کرسکتا' اس کا کام اخلاقی تعلیم یا نیکی کی ترغیب نہیں ہے' پہلے لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے بھی مشکل سے رکھتے تھے

اور سب غریب گھر والوں کو اور گاؤں کے ضرورت مندوں کو بھیج دینا چاہتے تھے، مگر آج بھیجنے اور مدد کرنے کے تو سب ذرائع موجود ہیں، آدمی کے اندر غریبوں کی مدد کا جذبہ نہیں، مدد کی خواہش ختم ہو چکی، ہمارے تمدن میں اس کا ذکر ہی نہیں، اب ذرائع کیا کار آمد ہو سکتے ہیں؟

ذرائع اور آسانیاں نیک خواہشات کی خانہ پری نہیں کر سکتیں

ذرائع، جذبات، اچھی خواہشات اور نیک ارادوں کی خانہ پری نہیں کر سکتے، آج منی آرڈر ہے، تار ہے، آمدورفت آسان ہے، دولت کی افراط ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ غریبوں کی مدد کا جذبہ اور طبیعت میں انسانوں کی خدمت کا تقاضا نہیں، دنیا کا کون سا ادارہ اس خواہش کو پورا کر سکتا ہے اور ایسی حالت میں ذرائع کیا مدد کر سکتے ہیں؟

میں اس کی ایک دوسری مثال دیتا ہوں، آپ پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھئے بڑے بڑے اللہ کے نیک بندے یہ آرزو لئے دنیا سے چلے گئے کہ اللہ ان کو حج نصیب کرے، انہوں نے فرط محبت اور شوق میں سینکڑوں اشعار کہے اور بیسیوں مضمون لکھے، لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، کیونکہ ان کے پاس اتنا پیسہ تھا نہ سفر کی یہ سہولتیں موجود تھیں، فرض کیجئے کہ روپیہ بھی ہو اور سفر کی سب آسانیاں بھی، لیکن حج کی خواہش اور شوق نہ ہو تو بتائیے کہ یہ ذرائع کیا کر سکتے ہیں؟ پہلے کاشی گیا اور متھرا کی یاترا کے لئے لوگ سینکڑوں میل سے پیدل آتے تھے، اور سفر کی تکالیف اٹھاتے تھے، فرض کیجئے آج سفر کی سب آسانیاں ہیں، تیز رفتار سواریاں ہیں، مگر یاترا کا شوق اور جذبہ نہیں ہے تو یہ ذرائع کیا کر سکتے ہیں؟

ذرائع سے پہلے ان سے کام لینے والے چاہئیں

پیغمبروں کو یہ معلوم تھا کہ ذرائع سے پہلے ان سے کام لینے والوں کی ضرورت ہے، اللہ نے انہیں عقل ایمانی اور نور نبوت عطا کیا تھا، انہوں نے ذرائع پیدا کرنے سے پہلے ذرائع سے ٹھیک ٹھیک کام لینے والے پیدا کئے، سواریاں مہیا کرنے سے پہلے ان سے فائدہ اٹھانے والے اور نیک مقاصد سے سفر کرنے والے پیدا کئے، پیسہ کمانے سے پہلے اس کو صحیح مصرف پر صرف کرنے والے اور صحیح طریقہ سے استعمال کرنے والے پیدا کئے، ذرائع پیدا کرنے سے پہلے اپنی قوتوں اور خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کا استعمال سکھایا، انہوں نے انسان کے اندر اچھی خواہشیں پیدا کیں، اور اچھی

خواہشات یوں ہی نہیں پیدا ہوتیں' وہ یقین اور عقیدے سے پیدا ہوتی ہیں' یقین خواہش پیدا کرتا ہے' خواہش عمل کا ارادہ پیدا کرتی ہے اور عمل ذرائع سے کام لیتا ہے' ذرائع اور انسانی کوششوں کے نتائج ہمیشہ انسان کے ارادہ کے تابع رہے۔ نیک خواہشات اس زندگی کی سب سے بڑی طاقت اور دولت ہیں' مگر دنیا کے بڑے بڑے فلسفی لیڈر اور سائنسداں اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر رہے' یہ صرف خدا کی رہنمائی اور پیغمبروں کی فراست تھی کہ انہوں نے پہلے نیک خواہش پیدا کی' انسان کو نیک بننے' دوسروں سے ہمدردی کرنے اور نیکی کو پسند کرنے والا بنایا' ذرائع ان کے قدموں کے نیچے تھے اور ان کی خواہشات کے پیچھے پیچھے' ان کا ذہن صحیح رہبری سے نہیں ہٹتا تھا' وہ انسانوں کے دل بناتے تھے' وہ انسانوں کے دماغ ڈھالتے تھے۔ اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کو سائنس نہیں دی' انسان دئے اور انسان ہی اس دنیا کا حاصل ہے۔

پیغمبروں نے انسان تیار کئے

پیغمبروں نے وہ انسان تیار کئے جو اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے اور ذرائع سے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل کا کام لینے کے انسانیت کی خدمت کا کام لیتے تھے' ان میں سے بعض ایسے تھے جن کو وہ ذرائع حاصل تھے جن سے وہ دنیا کا بڑے سے بڑا عیش کر سکتے تھے' لیکن انہوں نے نہیں کیا۔ وہ شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے' لیکن انہوں نے زہد و قناعت کی زندگی گذاری' حضرت عمرؓ کو وہ وسائل بھی حاصل تھے جن سے قیصر روم نے عیش و عشرت کی زندگی گذاری اور وہ وسائل بھی حاصل تھے جن سے شہنشاہ ایران نے وہ داد عیش دی' جو دنیا کے کم بادشاہوں نے دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نیچے روم کی پوری سلطنت تھی اور ایران کا پورا ملک تھا' مصر اور عراق جیسے پر وسائل اور زرخیز ممالک ان کے قبضے میں' ہندوستان کے قریب تک ان کی فوجیں آ چکی تھیں' ایشیائے کوچک کے بعض علاقے ان کے قبضے میں آ چکے تھے' ایسا شخص اگر عیش کرنا چاہتا تو اس کو کیا کمی تھی' مگر انہوں نے اس عظیم سلطنت اور ان کثیر وسائل سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا' ان کی سادہ زندگی کا تو یہ حال تھا کہ انہوں نے قحط کے زمانے میں گھی تک کا استعمال چھوڑ دیا تھا اور تیل کھاتے کھاتے ان کا سرخ و سپید رنگ سانولا پڑ گیا تھا' انہوں نے اپنے اوپر اتنی تنگی کی تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ اگر یہ قحط جلدی ختم نہ ہوا تو عمرؓ بچتے نظر نہیں آتے۔

ان کے ہم نام عمر بن عبدالعزیز اس سے بھی بڑی سلطنت کے مالک تھے' ان کا حال یہ تھا کہ حکومت کے خزانے سے سردیوں میں عام مسلمانوں کے لئے جو پانی گرم ہوتا تھا' اس سے غسل کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے' ایک رات آپ حکوم[illegible] کام کر رہے تھے ایک شخص آیا اور اس نے آپ کی مزاج پرستی کی اور آپ کے ذاتی حالات پر گفتگو کرنے لگا' آپ نے چراغ گل کر دیا جس میں بیت المال کا تیل خرچ ہو رہا تھا' تاکہ اس گفتگو میں جو حکومت کے کام سے غیر متعلق تھی' حکومت کا تیل خر[illegible] ہو' اگر وہ عیش کرنے پر آتے تو تمام دنیا کے عیش پرست مات ہو جاتے' کیونکہ ہر طرح کے وسا[illegible] مالک تھے اور اس وقت کی متمدن دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے حکمراں تھے' یہ رسول [illegible] تعلیم تھی کہ ان ذرائع کے باوجود ان کی زاہدانہ زندگی میں کچھ فرق نہ آیا۔

یورپ کی بے بسی مقاصد سے محرومی

دوستو! اور بھائیو۔ یورپ کی آج سب سے بڑی کمزوری اور بے بسی یہ ہے کہ اس کے پاس وسائل اور ذرائع کا خزانہ موجود ہے لیکن نیک خواہشات اور نیک ارادوں کا فقدان ہے۔ وہ ایک طرف وسائل اور ذرائع میں قارون ہے' دوسری طرف نیک مقاصد میں محض مفلس اور قلاش۔ اس نے کائنات کے راز منکشف کئے اور طبعی طاقتوں کو اپنا غلام بنایا' اس نے سمندروں اور فضاؤں پر فرمانروائی حاصل کی۔ لیکن اپنی خواہشات اور نفس پر قابو نہ حاصل کر سکا۔ اس کائنات کے عقدے حل کئے' لیکن اپنی زندگی کی پہیلی نہ بوجھ سکا۔ اس نے منتشر اجزاء اور طبعی طاقتوں میں نظم و ترتیب قائم کی اور اس نے اس مادی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا' لیکن وہ اپنی زندگی کا انتشار دور نہ کر سکا۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

کاش اس کے پاس اتنے عظیم وسائل نہ ہوتے لیکن نیک خواہش اور انسانیت کی خدمت کا

چا جذبہ ہوتا۔

سائل باعث ہلاکت کیوں؟

ذہن کی کجی اور نیت کی خرابی نے ان وسائل کو انسانیت کے لئے حد درجہ خطرناک بنادیا ہے' یک شخص جس کا دل بے رحم اور ظالم ہے' اگر اس کے پاس تیز چھری ہے تو وہ زیادہ نقصان پہنچائے گا اور کند چھری ہے تو کم نقصان پہنچائے گا' تمدن نے ترقی کی' لیکن انسان کی سیرت نے ترقی نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نئے وسائل انسان کے لئے عذاب جان بن گئے' تیز رفتار سواریوں نے ظلم کی رفتار تیز کردی اور ظالموں کو چشم زدن میں ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچادیا' آج سے پہلے ظالم بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر جاتے تھے اور ظلم کرتے تھے' چونکہ پہنچنے میں جتنی دیر لگتی تھی' ظلم میں اتنی ہی تاخیر ہوتی تھی۔ اور کمزوروں کو سانس لینے اور کچھ دن آرام سے سونے کا موقع ملتا تھا۔ زمانہ نے ترقی کی اور نئے دور کے ظالم تیز رفتار سواریوں پر بیٹھ کر دنیا کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک آسانی سے پہنچ جاتے ہیں اور کمزور قوموں کو دبوچ لیتے ہیں اور ان کو دم کے دم میں فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

تہذیب جدید کی ناکامی

حضرات۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے مفکر اب اس کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ تہذیب جدید نے وسائل پیدا کئے مگر مقاصد نہیں دیئے' وسائل بغیر مقاصد کے بیکار ہیں ہم ایشیا کے رہنے والے یورپ سے کہہ سکتے ہیں کہ تمہارے وسائل اور تمہاری ترقیاں اور تمہارے انکشافات ناقص ہیں۔ سو ذریعے ایک مقصد کی بھی خانہ پری نہیں کرسکتے' تمہاری تہذیب' تمہارا فلسفہ زندگی' تمہاری ترقیاں' اچھے مقاصد اور نیک خواہشات پیدا کرنے سے قاصر ہیں' تم یہ تو کر سکتے ہو کہ اچھے سے اچھے کام کے ذرائع پیدا کردو' مگر اچھے کام کرنے کا رجحان پیدا نہیں کرسکتے' رجحان کا تعلق دل سے ہے اور تمہارے وسائل اور تمہاری ایجادات کی وہاں تک رسائی نہیں اور جب تک اچھے کام کا رجحان نہ ہو' ذرائع اور کام کے امکانات کچھ نہیں کرسکتے' اچھے کام کا رجحان نہ ہو' ذرائع اور کام کے امکانات کچھ نہیں کرسکتے' اچھے کام کا رجحان اور اس کا شدید تقاضا پیدا کرنا پیغمبروں کا کام تھا' اور ان کی تعلیم اب بھی اس کا واحد ذریعہ ہے' انہوں نے بہت بڑے پیمانہ پر اس

کو پیدا کر کے دکھا دیئے' لاکھوں انسانوں کے دل میں نیک کام کی خواہش' خدمت کا جذبہ' ظلم اور بدی کی نفرت پیدا کر دی اور انہوں نے اپنے محدود ذرائع سے وہ کام کر کے دکھا دیئے جو آج وسیع ذرائع سے نہیں ہو رہے ہیں۔

مذہب کے کرنے کا کام

بہت سے بھائی اس زمانے میں سمجھتے ہیں کہ مذہب کے پاس کوئی پیغام نہیں اور مذہب اس دور کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا' مگر میں اس کی تردید کرتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ مذہب آج بھی یورپ کی رہنمائی کر سکتا ہے' صحیح اور طاقتور مذہب ہی ہے جو نیکی کا رجحان اور نیک عمل کی خواہش پیدا کرتا ہے اور یہی زندگی کی کنجی ہے۔ آج دنیا سخت انتشار میں مبتلا ہے' یورپ کے پاس وسائل ہیں' مقاصد ہیں' اگر وسائل اور مقاصد کا جوڑ ہو جائے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے۔

ذرائع کی کثرت نے ملکوں کو غلام بنایا

آج اس تہذیب نے اتنے وسائل پیدا کر دیئے کہ ان سے کام لینے کا میدان نہیں ملتا۔ وسائل اپنے لئے منڈیاں تلاش کر رہے ہیں۔ یہ تلاش و جستجو قوموں کو غلام بنانے اور آزاد ملکوں کو اپنی تجارت کی منڈی بنانے پر آمادہ کرتی ہے' کبھی کبھی اس کو جنگ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ یہ نئے نئے اسلحہ ٹھکانے لگیں۔ جنگ عظیم کی بنیاد ہی ان ہوس پرست اسلحہ سازوں اور کارخانہ داروں نے ڈالی تھی جن کو اپنے سامان کی کھپت جنگ ہی میں نظر آتی تھی۔ آج کپڑوں' جوتوں اور طرح طرح کے صنعت کے نمونے نکلتے ہیں اور ان کی کھپت کے لئے جگہ نہیں' ہماری اس تہذیب کو ذرائع کا تخمہ ہو گیا ہے اور اخلاقی قوت اور یقین کی روشنی اس کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں۔

ایشیا کا فرض

ایشیائی ممالک کا فرض تھا کہ وہ یورپ کے مال کی منڈی بننے کے بجائے اور یورپ کے ذرائع و وسائل کی خوشہ چینی کے بجائے اس نازک وقت میں یورپ کی مدد کرتے' اس کو اخلاق کا سبق دیتے' اس میں ایمان و یقین کی روشنی اور اخلاقی رجحان پیدا کرنے کی کوشش کرتے' اس لئے کہ ان کے پاس مذہب کی طاقت ہے اور یورپ صدیوں پہلے اس دولت سے محروم ہو چکا ہے' لیکن افسوس ہے کہ یہ ملک خود اس اخلاقی رجحان اور انسانی صفات میں دیوالیہ ہوتے جا رہے ہیں' وہ خود یورپ

کی بیماریوں کا شکار ہوتے جارہے ہیں' ان ممالک میں خود فراموشی' خود غرضی کی وبا پھیلی ہوئی ہے اور دولت پیدا کرنے کا ایک جنون سوار ہے' ان ممالک کی سوسائٹی کو گھن لگ گیا ہے' ان ممالک کے لئے یہ سب سے بڑا خطرہ ہے' اس سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ ملک کا کوئی ادارہ اور کوئی جماعت اس خطرے کو محسوس نہیں کررہی ہے اور اخلاق کی اصلاح ایمان و یقین کی تبلیغ اور سیرت کی تعمیر کا کام انجام نہیں دے رہی ہے' حالانکہ یہ کام ہر کام پر مقدم تھا اور ہر تعمیری کام کی تکمیل اسی پر منحصر ہے۔

وقت کا سب سے اہم کام

بھائیو۔ یہ بات سارے سال کے لئے کافی ہے اور میں اس امید پر یہ کہہ رہا ہوں کہ شاید کوئی ایک بیدار مغز' زندہ دل' سلیم الفطرت انسان میری بات کو مان لے' کہنے اور کرنے کی بات یہی ہے کہ پیغمبروں کا راستہ اختیار کیا جائے' خدا کی ہستی کا یقین اور مرنے کے بعد زندگی پر یقین پیدا کیا جائے۔ زندگی میں خدا کی فرمانبرداری اختیار کی جائے جن کو خدا نے علم دیا ہے' دولت دی ہے' وسائل دئے ہیں' وہ دنیا میں نیکی کی زندگی کے لئے کوشش کریں۔ معلومات اور اخلاق میں مناسبت اور توازن قائم کیجئے' معلومات اور زبان تورشیوں کی اور عمل اور اخلاق را کششوں کے؟ یہ کہاں کی انسانیت ہے؟ جب تک وسائل اور مقاصد میں ہم آہنگی اور علم اور اخلاق میں تناسب نہیں ہوگا' یہ دنیا اسی طرح برباد ہوتی رہے گی' وسائل آپ کو یورپ سے مل سکتے ہیں' میں ان کے اختیار کرنے سے منع نہیں کرتا' لیکن مقاصد اور اچھے رجحانات اور خواہشات آپکو ایک پیغمبر ہی سے مل سکتے ہیں اور آپ کے لئے اس سے فائدہ اٹھانے کا ہر وقت موقع ہے' اس سے یقین کی دولت اور نیکی کا رجحان لے کر آپ اپنی زندگی کو بھی بنا سکتے ہیں اور یورپ کو بھی اس ہلاکت سے بچا سکتے ہیں۔ جو اس کے سر پر اور اس کے ذریعہ ساری دنیا کے سر پر منڈلا رہی ہے۔

قرآن اور جدید علم کلام

سائنسی حقائق کے ذریعہ نوع انسانی پر اتمام حجت

موجودہ دور کی ایک اہم ترین ضرورت

(مولانا محمد شہاب الدین ندوی)

دنیائے اسلام کا عقلی ارتقاء دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی مسیحی) سے شروع ہوا جب کہ یونانی علوم اور خاص کر منطق و فلسفہ کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں نئے نئے فکری و اعتقادی اور فلسفیانہ مسائل پیدا ہوئے، جن سے مسلمانوں کو اس سے پہلے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ یونانی منطق و فلسفے کی دقت آفرینی کے باعث مسلمانوں کا ایک خاص طبقہ ان علوم کا شیفتہ تھا اور انہیں ہر قسم کی تنقید سے بالاتر سمجھتا تھا۔ حالانکہ ایک تو اس میں نظام کائنات اور خصوصاً "افلاک" کے سلسلے میں بعض بے بنیاد دعوے تھے اور دوسرے یہ کہ وہ اسلام کے اصل عقائد سے ٹکراتے تھے۔ لہٰذا ان "نئے علوم" اور نئے افکار کا مقابلہ کرنے کی غرض سے صاحب نظر علمائے اسلام نے ایک نیا فن ایجاد کیا جو "علم کلام" کے نام سے معروف ہے اور اس علم کے حامل علماء کو "متکلمین" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ متکلمین اسلام نے اس دور کی گمراہیوں کا مقابلہ کرنے کی غرض سے نہ صرف چند فلسفیانہ اصول ایجاد کئے بلکہ گمراہ فلاسفہ سے وقتاً فوقتاً مناظرے کر کے ان کا ناطقہ بھی بند کر دیا۔ اور اسلامی عقائد پر جو آنچ آ رہی تھی ان کی صحت و صداقت عقلی دلائل کی روشنی میں ثابت کر کے اسلام کی برتری کا علم بلند کیا۔ اس اعتبار سے یہ ان کا ایک تجدیدی کارنامہ تھا۔

متکلمین اسلام کے برعکس علمائے اسلام کا ایک دوسرا گروہ تھا جو فقہاء اور محدثین کا تھا اور وہ نہ صرف یونانی منطق و فلسفے کو "علوم باطل" قرار دیتا تھا بلکہ خود علم کلام کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ بلکہ وہ ان کوششوں کو بھی ایک بدعت قرار دیتا تھا۔ مگر تاریخ اسلام کا یہ ایک حیرت انگیز

..ہے کہ پانچویں صدی میں امام غزالی کی کوششوں کی بدولت اسلامی علوم اور یونانی ..م کی باہمی ش مکش نہ صرف یہ کہ ختم ہو گئی بلکہ ان علوم کو مسلمانوں نے پوری طرح گلے لگایا اور تمام اسلامی مدارس کے نصاب میں داخل کردیا۔اس طرح اس دن سے آج تک یہ اسلامی تعلیمات کا جزو بن چکے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جس دور میں اہل اسلام کو یونانی علوم سے خطرہ اور فکری چیلنج درپیش تھا اس کا مقابلہ کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ قدم اٹھایا تاکہ علمائے اسلام ان غلط اور بے بنیاد افکار وخیالات سے آگاہ ہو کر نہ صرف ان علوم کی کمزوریاں ثابت کریں بلکہ ان کے مقابلہ میں اسلامی فلسفہ حیات کی برتری اور معقولیت کاسکہ بھی قائم کریں چنانچہ اس حیثیت سے خاص کرامام غزالی امام رازی اور امام ابن تیمیہ نے یونانی علوم پر معقول اور تحلیلی انداز میں تنقید کرکے ان کی دھجیاں بکھیردیں اور ان پر ایسے وقیع اعتراضات کئے جن کا آج تک کوئی جواب نہیں دیا جاسکا ہے۔

آج چونکہ یونانی علوم کا چلن باقی نہیں رہا اس لئے اب ان علوم سے چمٹے رہنا ایک غیر معقول بات ہے۔ ظاہر ہے کہ آج علوم جدید اور خاص کر سائنس کا چیلنج درپیش ہے اس لئے ضروری ہے آج مسلمان اپنے آپ کو نئے ہتھیاروں سے مسلح کریں تاکہ عصر جدید میں دین برحق کا دفاع صحیح اور بہتر طور کیا جاسکے۔ للہذا آج ضرورت ہے کہ ہمارے دینی واسلامی مدرسوں کے نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلی کرکے سائنسی علوم سے بھی ہمارے طلبہ کو روشناس کرایا جائے۔ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔اور اس اقدام کے بغیر آج ہم نہ تو کارزار حیات میں جدید افکار و نظریات کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور نہ اسلام کو ایک برتر اور معقول دین ثابت کرسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس اقدام کے بغیر علمی و فکری دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی اور کوئی ذہنی انقلاب برپا نہیں کیا جاسکتا۔

جدید علم کلام کے چند رہنما اصول

اس لحاظ سے آج ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھنے ضرورت ہے جو قدیم علم کلام کے برعکس تمام تر قرآن حکیم سے ماخوذ ہو گا۔ کیونکہ قرآن حکیم ہی وہ ابدی صحیفہ ہے جس میں جدید علم کلام کے تمام اصول تفصیل کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں تاکہ فکری و نظریاتی اعتبار سے گمراہ قوموں اور

بے بنیاد فلسفوں کا ابطال کیا جاسکے۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم قیامت تک جتنے بھی غلط عقیدے اور مہمل فلسفے وجود میں آسکتے ہیں ان سب کی تردید میں ہمارے لئے ایک رہنما کا کام دے سکتا ہے بشرطیکہ ہم اس کے معانی و مطالب کو جدید علوم و افکار اور حالات حاضرہ کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کریں اس لحاظ سے وہ ایک حیرت انگیز کلام دکھائی دیتا ہے چنانچہ وہ ہردور کے انسانوں کو مخاطب کرکے صاف صاف کہتا ہے کہ اس میں ان کی "داستان" موجود ہے۔

"ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے"؟ (انبیاء۔10)

اصل بات یہ ہے کہ قرآن حکیم ایک مختصر ترین کلام ہونے کے باوجود ایک اعجازی اور عجیب وغریب قسم کی علمی کتاب ہے جو ہردور کے انسان کے فکری وذہنی احوال وکوائف پر منطبق ہوسکتی ہے اور ہردور کے انسان کے لئے درس عبرت بن سکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ زمین و آسمان اور ان میں پھیلی ہوئی تمام چیزوں کے تفصیلی مطالعہ و جائزہ کی دعوت دیتے ہوئے ان اشیاء میں موجود نظاموں کو سمجھنے اور ان سے صحیح منطقی نتائج حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس دعوت فکر کا منشایہ ہے کہ انسان جب ان اشیاء کے نظام میں جاری وساری طبعی قواعد وضوابط کا مطالعہ کرے گا تو اس پر بخوبی واضح ہوجائے گا ان اشیاء کے نظام میں نہ صرف یہ کہ ایک حیرت انگیز قسم کی وحدت پائی جاتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب ایک لگے بندھے اصول کے تحت رواں دواں ہیں جن میں کسی قسم کا انتشار یا بد نظمی موجود نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات کے پس پردہ ایک عظیم الشان ہستی ضرور موجود ہے۔ ورنہ اس قدر حیرت انگیز نظم وضبط ناممکن ہے۔ اسی ہستی کو اسلام خالق اور رب کہتا ہے۔ چنانچہ اس کی اس خلاقیت اور ربوبیت کے نظارے اور کرشمے دنیا کی ہر شے اور ہر مظہر قدرت میں نمایاں ہیں اور ان صفات کے نقوش سے کائنات کا ذرہ ذرہ منور ہے آج بہت سے مادہ پرست اور سائنس داں ایسے ہیں جو خدا کے باوجود کو نہیں مانتے۔ مگر یہ ان کا ایک فکری تضاد ہے۔ کیونکہ تمام سائنسی علوم اصلاً اثبات خداوندی کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں۔ مگر مادہ پرست محض

اپنے عناد کے باعث علمی حقائق کا انکار کردیتے ہیں یا ان حقائق میں اپنی خواہشات نفس بھی شامل کرکے معاملہ کو مشتبہ بنادیتے ہیں۔ لہٰذا آج علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ سائنسی علوم کا حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے جائزہ لے کر منطق صحیح کی رو سے خود ان علوم کی روشنی میں اتمام حجت کریں۔ ظاہر ہے کہ جب دلیل واستدلال کے میدان میں مادہ پرست سائنس دانوں کو شکست ہو جائے تو پھر پوری دنیائے علم پر اسلامی فلسفے کی برتری مسلم ہو جائے گی اور یہ وقت کا ایک عظیم ترین کارنامہ ہو گا۔ چناچہ قرآن کریم ایک موقع پر بطور اتمام حجت صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ نہ صرف زمین پر پھیلی ہوئی تمام چیزوں میں بلکہ خود انسانی نفوس میں بھی خدا کے وجود کی نشانیاں ہیں۔ اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اور خود تمھاری ہستیوں میں بھی۔ کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟" (ذاریات ۲۰۔۲۱)

زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء سے مراد عالم جمادات، عالم نباتات اور عالم حیوانات سے متعلق چیزیں ہیں اور انسانی وجود سے متعلق جو چیزیں ہیں وہ اس کے حیاتیاتی اور نفسیاتی احوال و کوائف ہیں اس لحاظ سی یہ آیات کریمہ علم جمادات (جیالوجی) علم نباتات (باٹنی) علم خیوانات (زوالوجی) علم طب (میڈیسن) اور علم نفسایات (سائیکالوجی) وغیرہ تمام علوم پر محیط ہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ جب تک ان علوم پر دسترس حاصل نہ ہوگی وجود باری سے متلعق یہ شہادتیں اور یہ حقائق منظر عام پر نہیں آسکتے۔ ظاہر کہ یہ ان آیات کا صاف و صریح تقاضہ ہے کہ علمائے اسلام ان علوم میں کمال حاصل کرکے موجود گمراہ انسانوں کی رہنمائی کریں اور یہ ان کے ذمہ ایک فرض کفایہ ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ متعلقہ علوم سے کماحقہ واقفیت کے بغیر نہ تو ان آیات کی تفسیر ہوسکتی ہے اور نہ جدید تقاضوں کو نظرانداز کرکے موجودہ انسانوں پر اتمام حجت ہوسکتی ہے تیسری بات یہ کہ ان علوم وفنون کا جائزہ لے کر اہل اسلام کو حکیمانہ، جدید سے جدید تر اسلوب اور بہترین انداز میں نوع انسانی کے سامنے خدائی ہدایت کی وضاحت کرنی چاہیے۔ "تم (لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ. دانش مندی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بہترین طریقے سے مباحثہ کرو۔" (نحل۔۱۲۵)

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ عصر جدید کی بے انتہا ترقی کے باعث تمام علوم و فنون پوری طرح مدون و مرتب ہو کر ہمارے سامنے آ گئے ہیں۔ اگر اب بھی ہم قرآنی مقصد و منشا کے مطابق ان علوم سے فائدہ اٹھا کر دین برحق کی برتری ثابت نہ کریں تو اس سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہے کہ تمام جدید علوم و فنون کا جائزہ لے کر قرآن عظیم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نوع انسانی کی رہنمائی یا اس پر اتمام حجت کر دیں۔ یہی جدید علم کلام یا قرآنی علم کلام ہے۔

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

علم اشیاء اور نظام ربوبیت

اس مادی دنیا میں حیوانات، نباتات اور جمادات سے متعلق جتنی بھی چیزیں پائی جاتی ہیں ان کے طبعی خواص و تاثیرات معلوم کرنے کا نام "علم اشیاء" ہے اور اس کو موجودہ زبان میں سائنس کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر خدا کی پیدا کردہ مخلوقات یا اشیائے عالم کے تفصیلی مطالعہ کا نام علم اشیاء یا سائنس ہے اور اس علم کے صحیح مطالعہ یا جائزہ سے خدا کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ یہ مطالعہ صحیح نقطہ نظر سے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو کچھ اس ڈھنگ سے پیدا کیا ہے اور ان میں مخلوق پروری کی خاطر جو پیچیدہ نظام رکھا ہے اس کے مطالعہ و جائزہ سے انسان کی رسائی ایک ذات برتر تک ضرور ہو جاتی ہے۔ مادی اشیاء اور مخلوقات عالم کا یہ نظام قرآن حکیم کی زبان میں "ربوبیت" کہلاتا ہے جو خدا کی خلاقیت اور اس کی مخلوق پروری کے سلسلے میں ظہور پذیر ہونے والے انتظام و انصرام کا نام ہے۔ یعنی ربوبیت سے مراد وہ خدائی انتظام ہے جو اشیائے عالم کے مادی احوال و کوائف سے متعلق ہے۔ اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام اشیاء اور کل مخلوقات کا "رب" ہے یعنی ان کی دیکھ بھال کرنے اور ان کی مادی ضروریات کو پورا کر کے انہیں درجہ کمال تک پہنچانے والا۔ چنانچہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت کی جو پہلی آیت ہے وہ اسی "عالمگیر ربوبیت" سے متعلق ہے، اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

الحمد لله رب العالمین تعریف کا مستحق صرف اللہ ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (سورہ فاتحہ) یعنی تمام اشیائے عالم کا منظم اور نگران اعلیٰ ہے۔ اور اس کی وضاحت دوسرے مقامات پر اس طرح کی گئی ہے۔

رب السموت والارض وما بینھا وہ آسمانوں' زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ موجود ہے ان سب کا رب ہے۔ (صافات۔5)

وھورب کل شی "اور وہ ہر چیز کا رب ہے" (انعام 164)

اس لحاظ سے انسان جب اشیائے عالم کا مطالعہ کرتا ہے تو لا محالہ طور پر اس کے سامنے خلاق عالم کی ربوبیت کا حال واضح ہو جاتا ہے اور اس کے سامنے معرفت الٰہی کے نئے نئے ابواب آتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عبرت کے لئے عجیب و غریب اسباق و بصائر رکھ دیئے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر نظام کائنات کو سمجھنے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس سے اعراض کر کے غلط روش اور غلط طرز فکر اختیار کرنے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموت والارض وما خلق اللہ من شی وان عسی ان یکون قداقترب اجلھم ۔ فبای حدیث بعدہ یومنون

"کیا انہوں نے دنیائے ارض و سماوات اور اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں نظر نہیں کی؟ عجب نہیں کہ ان کا وقت قریب آ چکا ہو۔ (اتنی صراحتوں کے باوجود) آخر وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ (اعراف۔185)

وکاین من ایتہ فی السموت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون

اور زمین و آسمانوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔ (یوسف 105)

حقیقت یہ ہے کہ عالم ارض اور عالم سماوات اور ان کے حیرت انگیز نظاموں میں اتنے دلائل و شواہد اور ربوبیت کے اس قدر نشانات NATURAL SIGNS موجود ہیں جن سے اعراض کرنا اور

آنکھیں بند کرلینا مشکل ہے۔ صحیفہ فطرت کے ایک ایک ورق اور اس کے ہر نقش و نگار پر اس کے حیرت انگیز خالق و مربی اور مدبر و منظم کا نام اور اتہ پتہ ایک عجیب و غریب اور اعجازی زبان میں مرقوم ہے۔ جس طرح مختلف کمپنیوں کے مختلف ٹریڈ مارک ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص پہچان لیتا ہے کہ فلاں فلاں مصنوعات فلاں فلاں کمپنی کی بنی ہوئی ہیں۔ بالکل اسی طرح فطرت کی رعنائیوں اور اس کی گلکاریوں میں بھی ایک برتر ھستی کی خلاقیت و ربوبیت کا جلوہ نظر آتا ہے جسے ہم ربوبیت کا ٹریڈ مارک کہہ سکتے ہیں۔

غرض ربوبیت کی ان نشانیوں یا اس کے اشاروں کو سمجھنا اور اس علم کی چھان بین کرنا خدائی دلائل (جن کو قرآن کی زبان میں آفاقی و انفسی دلائل کا نام دیا گیا ہے) ہی کی چھان بین اور تحقیق و تدوین کرنا ہے' تاکہ منکرین خدا پر اتمام حجت ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نظام کائنات میں غور و فکر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس پر مختلف حیثیتوں سے ابھارا گیا ہے۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب

"یقیناً" زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور دن رات کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کے لئے بہت سے نشانات موجود ہیں" (آل عمران۔ 190)

اسی طرح نظام کائنات سے عبرت و بصیرت حاصل نہ کرنے والوں اور صحیح افکار و نتائج کو جھٹلانے اور ان سے اعراض کرنے والوں کو بہائم اور چوپاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس

اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور انسان پھیلا رکھے ہیں' جن کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں۔ اور ان کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے (کیونکہ) یہ لوگ غافل اور بے پروا ہیں۔(اعراف۔ 179)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالی کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش وخروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

FALAH-E-ADMIAT

Registerd

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

الله

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تا کہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الووجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین ' مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شھود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔